تفسیر ماتریدی

سورۂ فاتحہ

مع ترجمہ

از

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی

ادارۂ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد
(پاکستان)

تاویلات اھل السنۃ

(تفسیر ماتریدی۔ سورۂ فاتحہ)

از: علم الھدٰی امام ابو منصور محمد بن محمود

سمرقندی ماتریدیؒ (متوفی ۳۳۵ھ)

اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

بسلسلہ: فہم قرآن، ماہِ رمضان ۱۴۳۴ھ

تفسیر ماتریدی

یا

تاویلات اهل السنة

للامام ابی منصور محمد بن محمد الماتریدی

(المتوفی سنه ۳۳۳ھ)

(تفسیر سورۃ الفاتحہ)

تحقیق و ترجمه

از

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی

ڈائرکٹر

ادارۂ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

(پاکستان)

۱۳۹۱ / ۱۹۷۱

پیش لفظ

خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ جہان عالم اسلام کلام اللہ کے نزول کو چودہ سو برس گذرنے پر جشن نزول قرآن منانے میں مصروف ہے ، ادارۂ تحقیقات اسلامی قرآن حکیم کی تعلیمات کو فرزندان اسلام تک پہنچانے کی سعی میں مصروف ہے ۔ اس کی اردو ، بنگلہ ، عربی اور انگریزی مطبوعات پاکستان کے دونوں حصوں میں ، نیز بیرون ملک اسلامی علوم کو زیادہ عام کرنے کا کام بطریق احسن سر انجام دے رہی ہیں ۔ مقالات و تراجم کے علاوہ قرون اولی کے اکا بر دین اور سلف صالحین کی نادر اور نایاب تالیفات کو تحقیق و تحشیہ کے بعد شائع کرنے کا کام برابر ہو رہا ہے ۔ بعض نوادرات ، ادارے کی کوشش سے پہلی بار علمی انداز میں اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچ رہے ہیں ۔

ہم وابستگان ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان ، راک فیلر اور ایشیا فاؤنڈیشن کے گراں قدر عطیات کے شکر گزار ہیں جن کی مالی اعانت سے تقریباً تین سو بیش بہا کمیاب مخطوطات کی فلمیں حاصل ہوئیں ۔ یہ فلمیں دنیا بھر کے مخطوطات کا انتخاب ہیں ۔ ان نوادرات میں سے امام فخر الدین رازی کی کتاب علم الاخلاق ، انگریزی ترجمہ و تعلیق کے ساتھ ، اہل علم تک پہنچ چکی ہے ۔ امام طحاوی کی اختلاف الفقہاء کی جلد اول عنقریب شائع ہونے والی ہے ۔ امام الہدی ابو منصور ماتریدی کی نادرۂ روزگار تفسیر ”تاویلات اہل السنہ“ کا ایک جز جو تفسیر سورۂ فاتحہ پر مشتمل ہے ، اردو ترجمہ کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے ۔

استنبول (ترکی) کی لائبریری کوپریلی میں اس تفسیر کا مخطوطہ زیر رقم ۴۷ موجود ہے جس کا عکسی نسخہ مکتبہ دار الکتب المصریہ (تفسیر نمبر ۸۷۳) میں محفوظ ہے۔ ایشیا فاؤنڈیشن کی مدد اور جامعۃ الدول العربیہ قاہرہ کی عنایت سے ہمیں اس کی مائکرو فلم دستیاب ہوئی۔ ہم ان سب اداروں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ادارے کے رفقاے کار مولانا عبد القدوس ہاشمی ، لائبریرین ، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ، ایڈیٹر اردو مجلہ فکرو نظر ، مسٹر اعجاز احمد زبیری ، معتمد ادارہ، وغیرہ کے علاوہ نگران و معاونین مطبعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی ، کا بھی ممنون ہوں ، جن کے تعاون سے یہ کتابچہ قارئین کرام تک پہنچ سکا۔

رمضان المبارک ۱۳۹۱ ھ — محمد صغیر حسن معصومی

نومبر ۱۹۷۱ء — ڈائرکٹر

ادارۂ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد

(پاکستان)



مضامین

تم و باللہ التوفیق ۔



تفسیر امام ابو منصور ماتریدی

امام الہدیٰ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود حنفی ماتریدی سمرقندی (المتوفی ۳۳۳ / ۹۴۴) اہل السنہ والجماعہ کے سرخیل اور علم عقائد میں امام ابوالحسن اشعری (المتوفی سن ۹۴۱ / ۳۳۰) کے شریک کار اور متکلمین احناف کے پیش رو اور امام سمجھے جاتے ہیں۔ ایران و ممالک عربیہ میں جو حیثیت امام ابو الحسن اشعری کو حاصل تھی ، ماوراء النہر اور یورپ کے ممالک میں وہی حیثیت امام ماتریدی کو حاصل تھی ۔ اور عقائد میں دوسرے فرق اسلامیہ کے مقابلے میں جمہور اہل اسلام انہی دونوں اماموں کے قرآن و احادیث سے استنباط کئے ہوئے عقائد کے حامل ہیں۔ جس طرح عبادات کے ادا کرنے کے ظاہری طریقوں میں کچھ جزئیات کی وجہ سے لوگ چار مذاہب ، حنفی ، شافعی ، مالکی اور حنبلی کے مطابق عمل پیرا ہیں ، اسی طرح خدا کی ذات اور صفات ، انسانی اعمال ، نبوت و امامت وغیرہ جیسے مسائل کی جزئیات میں مختلف عقیدہ رکھنے کے لحاظ سے لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ معتزلہ نے صفات خداوندی کا انکار کیا اور ساری صفات کو کرشمہ ذات سمجھا ۔ شیعوں نے امامت کو نبوت کے بعد لازوال حیثیت دیدی ۔ غرض مختلف نظریوں اور عقائد میں لوگ افراط و تفریط اور غلو کے مرتکب ہوئے اور شیعہ ، خوارج ، جمہور اہل سنت ، معتزلہ ، جہمیہ ، مجسمہ اور مرجئہ وغیرہ فرقوں میں بٹ گئے ۔ ہر فرقہ اپنے دلائل قرآن پاک اور احادیث نبوی سے اخذ کرنے میں کوشاں رہا ،

جادۂ مستقیم پر چلنے کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری تھا ، اور ان کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کتاب اللہ کو سمجھنا سب پر مقدم سمجھا گیا ، شروع اسلام میں قرآن حکیم کے معانی صحابۂ کرام کی روایتوں تک محدود رہے ، غیر عرب جب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو نحویوں نے لغت اور زبان کے قواعد کے مطابق قرآن کے معانی کی تشریح کی ۔ اور دوسری تیسری صدی ہجری میں ہر بڑا نحوی معانی القرآن کی تالیف و تدوین میں منہمک نظر آتا ہے ۔ فراء اور زجاج کے معانی القرآن ہمارے ہاتھوں میں ہیں ، لغت و روایت پر مبنی حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ کی روایتیں آج تک محفوظ ہیں ، تفسیر ابن عباس ، تفسیر مجاھد، تفسیر ثوری وغیرہ شواھد موجود ہیں ، اور یہ کہنا صداقت سے بعید نہیں معلوم ہوتا کہ تاریخ اسلام کی اولین دو صدیوں کی تفسیری روایات وتحریرات کا معتدبہ حصہ امام ابو جعفرطبری (المتوفی سن ۳۱۰/۹۲۳) کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن میں محفوظ ہے ، اور اگرچہ بعد کے مفسرین نے اس مشہور زمانہ تفسیری دائرۂ معارف سے بڑی حد تک خوشہ چینی کی ہے ، مگر بہت سی تفسیروں کی امتیازی خصوصیات نے ان کو بقاء دوام بخشا ، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر زمخشری (المتوفی سن ۵۳۸ / ۱۱۴۴) کی الکشاف عن حقائق التنزیل ، قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی (المتوفی سن ۶۸۵ /۱۲۸۲ء) کی أنوار التنزیل واسرار التاویل اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ،

طبری کے معاصر امام ماتریدی کی شہرت علم کلام کی تاریخ میں اگرچہ محتاج بیان نہیں ۔ لیکن ان کے قلمی کارنامے آج تک ناپید رہے ، ان کی معرکۃ الآراء تفسیر جس کا نام تاویلات اھل السنۃ ہے ، ابتک لوگوں کی دسترس سے باھر ہے ۔ کتاب التوحید ، کتاب المقالات ، کتاب رد اوائل الادلہ للکعبی اور کتاب بیان وھم المعتزلہ انکی دوسری تالیفات ھیں، جنکا ذکر صرف فہارس کتب میں ملتا ہے ،

سنہ ۱۹۶۵ء میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کے لئے جامعۃ الدول العربیہ ، قاھرہ سے تقریباً پونے دو صد نوادرات کا انتخاب عمل میں آیا ، ان میں تاویلات اھل السنۃ کا مخطوطہ بھی شامل تھا۔ یہ فلم اگرچہ دارالکتب المصریہ کے مصورہ نسخے کا ہے، مگر یہ نسخہ درحقیقت استامبول کے نہایت عتیق نسخے کی تصویر ہے ۔ ہمارے علم میں اسکے دو اور نسخے ھیں ، ایک استامبول میں اور دوسرا بانکی پور ، انڈیا ، کے قومی کتبخانے میں ۔ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق کا خیال برابر پیش نظر رہا، مگر کسی دوسرے مخطوطے کی تصویر حاصل کئے بغیر اس کی تصحیح و تحقیق دشوار نظر آئی ،

کتاب کی افادیت کے پیش نظر آخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ عربی نص کے ساتھ اردو ترجمہ بھی فکرونظر کے قارئین کے لئے بالاقساط شایع کیا جائے ۔ ابھی سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا اردو ترجمہ پورا بھی نہ ہو پایا تھاکہ خبر ملی اس تفسیر کی پہلی جلد کو المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ قاھرہ نے شایع کردیا ہے۔ اور بقیہ جلدیں زیر طبع ھیں ۔ الحمدللہ کہ یہ تفسیر اب جلد ھی یہاں کے علماء کو بھی دستیاب ہو جائیگی۔

امام ابومنصور ماتریدی

امام ماتریدی کی نسبت سمر قند کے محلہ ماترید کی طرف ہے ، جسکی اصل ماتریت کی تے حرف دال سے بدلی ہوئی ہے ۔ فقہ کی تحصیل امام محمد شیبانی رح کے شاگرد ابو سلیمان جوزجانی کے شاگرد ابوبکر احمد جوزجانی سے کی۔ اسوقت علم کلام علم فقہ کا جز سمجھا جاتا تھا ، چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الفقہ الاکبر علم کلام کے مسائل پر مشتمل ہونے کے باوجود ''فقہ اکبر،، کہلائی ۔

انکی علمی شہرت ایسی ہوئی کہ حکیم قاضی اسحاق بن محمد سمرقندی ، علی رستغفنی اور ابو محمد عبدالکریم بن موسی بزدوی جیسے یگانۂ روزگار علماء نے فقہ میں ان سے استفادہ کیا ،

ان کا ذکر مختصر طور پر حسب ذیل کتابوں میں ملتا ہے :

(۱) الفوائد البہیہ ص ۱۹۵ - مفتاح السعادة ج ۲ ص ۲۱ ، الجواہر المضیئہ ج ۲ ص ۱۳۰ ، فہرس المؤلفین ص ۲٦٤ ، کشف الظنون ص ۳۳۵ ، اور بروکلمن ج ۱ ص ۲۰۹ (۱۹۵) ضمیمہ ج ۱ ص ۳۴٦ ،

یہ حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے رسائل جنہیں انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنے تلامذہ کو املا کرایا مثلاً الفقہ الاکبر ، الرسالہ ، الفقہ الابسط اور کتاب العالم والوصیۃ ان کی روایت بیسیوں علماء نے کی اور ان روایتوں کے مطابق لوگوں نے اپنے اپنے معتقدات کو درست کیا۔ امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی سند سے ان رسائل کی روایت کی ہے ، اور اہل سنت کے اعتقادات کی شرح میں ان سے کام لیا ہے۔ اگرچہ بعض معتزلہ نے امام صاحب کی طرف ان رسائل کی نسبت سے انکار کیا ہے ، مگر کبارعلماء کی اجماعی تصدیق معتزلہ کے خلاف ثابت ہے ، اور بالاتفاق ان کی نسبت کی صحت پر مہر تصدیق ثبت ہے ۔ غرض خلیفۃ مامون الرشید کے عہد کی جابرانہ کاوشوں سے اہل اعتزال کا دامن پاک نہیں کیا جاسکتا ۔ یہ حقیقت ہے کہ اہل اعتزال نے اپنے معتقدات کے قبول کرنے پر لوگوں کو مجبورکرنے کی بے جا کوشش کی۔ ان کے مظالم اور جبر و تشدد کا جواب اہل السنۃ والجماعۃ نے جس طرح دیا وہ بھی تاریخی حقیقت ہے ۔ علمی اور تنقیدی جوابات کتب کلامیہ میں بالتفصیل درج ہیں ، البتہ انیسویں صدی میں جب معتزلہ کی تاریخ لکھی جانے لگی تو غیر مسلم مستشرقین نے معتزلہ کی دانش پسندی کا حد سے زیادہ چرچا کیا ، اور انکی مظلومیت کی شہادتیں نمایاں طور پر پیش کرنے لگے ، اور اس بات پر تاسف کا برابر اظہار کیا جاتا رہا کہ معتزلہ کی کتابیں ساری برباد کردیگئیں ، اور اب انکی آراء جو کچھ محفوظ ہیں وہ اکثر و بیشتر اشاعرہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کی تالیفات میں مدفون ہیں، صرف لے دے کر کتاب الانتصار اور طبقات المعتزلہ دست برد زمانہ سے بچگئی ہیں ۔

بہر حال بیسویں صدی میں قاضی عبدالجبار معتزلی کی امالی ، فتاوی ، نیز احادیث کی شرحیں طبع ہوکر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں ۔ کچھ مخطوطات کی شکل میں دریافت ہو چکی ہیں ۔ یہ کتابیں علامۂ زمخشری کی مشہور تفسیر الکشاف کے علاوہ ہیں، جس میں علامہ نے جابجا حسب موقعہ اپنے معتقدات کی تشریح کی ہے ، جیسا کہ قبل اشارہ کیا جاچکا ہے ، یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ الفقہ الاکبر میں قدریہ (جو بعد میں معتزلہ کہلائے) کا رد لکھا ، اسلئے امام صاحب کیطرف اس کتاب کی نسبت کو مشتبہ قرار دینے کی ہر طرح کوشش کی گئی ، لیکن اہل حق علماء نے اس بات کی تصریح کردی کہ یہ کتاب خود امام صاحب کی املا کی ہوئی ہے ، اصول الدین (ص۳۰۸) میں امام عبدالقاہر بغدادی شافعی لکھتے ہیں :

'' و اول متکلمیھم من الفقہاء و ارباب المذاھب ابو حنیفۃ والشافعی ، فان اباحنیفۃ لہ کتاب فی الرد علی القدریۃ ، سماہ '' الفقہ الاکبر'' ، ولہ رسالۃ املاھا فی نصرۃ قول اہل السنۃ : ان الاستطاعۃ مع الفعل ،، الخ ۔ '' فقہاء اور ارباب مذاہب کے متکلمین میں سب کے پیشرو ابو حنیفہ اور شافعی ہیں ، قدریہ کے رد میں ابو حنیفہ کی ایک کتاب ہے جسکا نام ' الفقہ الاکبر' ہے ، انکا ایک اور رسالہ ہے جس کو اہل سنت کے قول کی تائید میں املا کیا ، کہ استطاعت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے ،، الخ ،

اسی طرح امام ابو المظفر اسفرائینی شافعی اپنی کتاب التبصیر (ص۱۱۳) میں امام صاحب کے سارے رسائل کا بالتفصیل ذکر کرتے ہیں ،

امام ابو منصور ماتریدی جو امام الھدیٰ کے لقب سے مشہور ہیں امام ابو حنیفہ اور انکے اصحاب کے عقاید کی تفصیل بڑی وضاحت کے ساتھ عقل و نقل کی روشنی میں بیان کرتے ہیں ، انہوں نے کسی نئے عقیدے کی ایجاد نہیں کی

اور انہی عقاید کا تجزیہ اور تثبیت کی جنکو امام ابو جعفر طحاوی نے اپنے رسالۂ عقیدہ میں بیان کیا ہے، اس رسالے کے نام سے اس کا مضمون واضح ہے، ”بیان عقیدۃ فقہاء الملۃ“: ابی حنیفہ“ و ابی یوسف و محمد بن الحسن، رحمہم اللہ“۔ اس رسالے میں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ مسائل، صحابۂ کرام اور تابعین کے مسلک وغیرہ بیان کئے گئے ہیں جو اہل سنت کے عقائد سمجھے جاتے ہیں، معتزلہ کے خلاف امام ابو الحسن اشعری نے اہل سنت کے عقاید کو بالتفصیل بیان کیا، جنکی اشاعت زیادہ تر ایران و ممالک عربیہ میں ہوئی، اور ماوراء النہر میں امام ابو منصور ماتریدی کی تشریحات عام طور پر مقبول ہوئیں۔

امام اشعری اور امام ماتریدی کے عقاید اصول میں متفق ہیں، صرف پچاس جزوی مسائل میں بظاہر معنوی اختلاف معلوم ہوتا ہے، اور یہ اختلاف اسقدر خفیف ہے کہ کسی فساد کا شائبہ نہیں، اور یہ دونوں کے یہاں موجب فساد نہیں سمجھے جاتے ہیں، ان مسائل کا تفصیلی جائزہ علامہ کمال الدین احمد البیاضی الحنفی (گیارھویں صدی ہجری کے ایک مشہور عالم) کی اشارات المرام من عبارات الامام (تحقیق یوسف عبدالرزاق، مطبعہ“ مصطفی البابی الحلبی مصر) اور علامہ الحسن بن عبدالمحسن المشہور بابی عذبہ“ کے رسالہ الروضہ“ البہیہ“ فیمابین الاشاعرۃ والماتریدیہ“ (مطبعہ“ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ“ حیدرآباد۔ دکن ۱۳۲۲ھ) میں موجود ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں عام طور پر دستیاب ہیں، اسلئے صرف ایک مثال کی وضاحت پر اکتفا کیا جاتا ہے: ایمان کے اظہار میں استثناء استعمال کیا جائے یا نہیں، اس باب میں لوگوں کی رائیں مختلف تھیں اہل حدیث اور امام ابوالحسن اشعری کی رائے میں استثناء استعمال کیا جائے، اور ایمان دار کو کہنا چاہیئے: انا مؤمن ان شاء اللہ (ان شاء اللہ میں مؤمن ہوں)۔ امام ابو حنیفہ اور جمہور اہل سنت کے یہاں استثناء کے ذکر کی ضرورت نہیں، ایک مؤمن کہہ سکتا ہے: انا مؤمن حقاً (میں حقاً اور یقیناً مؤمن ہوں)۔ تائید میں اللہ

تعالیٰ کا قول: اولئك هم المؤمنون حقا، (وہ لوگ حقاً ایمان دار ہیں) ہے، اسی طرح حضرت حارثہ والی حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثہ سے پوچھا، کیف اصبحت، (تم نے صبح کسطرح کی)۔ انہوں نے جواب دیا: اصبحت مومنا حقا (میں نے صبح کی حقاً مومن کی حیثیت سے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کو نا پسند نہیں کیا۔ اہل حدیث اور اشاعرہ کے خیال میں کسی شخص کا 'حقا' کہنا در حقیقت غیب پر حکم لگانا ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے سزاوار نہیں؛ کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ عنداللہ ایمان کا دعویدار واقع میں مومن ہے، یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص 'انا مومن حقا' کہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں کفر کی حالت میں مرے، اسلئے اللہ کے علم کے خلاف دعویٰ کرنا درست نہیں، پس ان شاءاللہ کی قید ان کے نزدیک مستحسن ہے،

تاویلات اہل السنۃ“

امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی کی تفسیر میں آیات قرآنی اور آثار نبوی کی روشنی میں فقہی مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور الفاظ عربیہ نیز لغوی اصطلاحات کے معانی کی تعیین خود قرآن حکیم کے الفاظ اور عربوں کے استعمال کے مطابق عمل میں آئی ہے، فقہی مسائل میں وہ مسائل بھی آجاتے ہیں جنکا تعلق عقیدہ سے سمجھا جاتا ہے۔ در حقیقت فرائض واجبات وسنن کی ادائیگی کا دار و مدار ایمان و عقیدے کی درستگی نیز پختگی پر ہے، اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ“ اللہ علیہ نے مسائل اعتقادیہ کو 'فقہ اکبر' کہا ہے۔ اس تفسیر سے پیشتر ایسی کوئی تفسیر نہیں ملتی جس میں خاص طور پر احکام شرعیہ کے اسباب و علل کا جائزہ فقیہانہ اور حکیمانہ انداز میں لیا گیا ہو، سورۂ فاتحہ کی تفسیر قارئین کے سامنے ہے۔ تفسیر طبری میں ان سارے آثار و روایات کو بیان کردیا گیا ہے جو اس سورہ کے الفاظ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مختلف اسناد کے ساتھ مجامع حدیث میں موجود ہیں۔ آخر میں اس سورہ کی آیات کی خدائی تقسیم والی حدیث بیان کی گئی ہے، اس حدیث کا ذکر امام ماتریدی

نے کئی بار کیا ہے، اور یہی ایک مضمون ہے جو دونوں کی تفسیروں میں مشترک ہے،

امام ماتریدی نے اخفاء بسم اللہ کی وجہ حکیمانہ طور پر آثار نبوی کی روشنی میں بیان کی ہے، ساتھ ہی حمد باری تعالیٰ کے ساتھ کتاب الٰہی کے آغاز کی وجہ بھی بیان کی ہے، یہ مضامین ایسے ہیں جو نہ تفسیر طبری میں ہیں اور نہ تفسیر کشاف میں، یہ واقعہ ہے زمخشری نے اشتقاق لغت، اعراب اور اعجاز القرآن بیان کرنے میں جو محنت کی ہے وہ دوسری تفسیروں میں نہیں۔ ساتھ ہی مختصر طور پر فقہی مذاہب بھی بیان کرتے گئے ہیں اور انہی خصوصیات کی بنا پر انکی تفسیر زندہ جاوید ہے۔ امام ماتریدی نے اشتقاق الفاظ اور لغوی اصطلاحات کے ساتھ زیادہ توجہ فقہی مسائل کی توضیح میں صرف کی ہے اور خاص طور پر حنفی مسلک کی ترجیح کے عقلی و نقلی دلائل پیش کئے ہیں، اور یہ خصوصیت اتنی نمایاں طور پر کسی دوسری تفسیر میں نہیں ملتی۔

تفسیر کے نسخے

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اس تفسیر کے چند نسخے استانبول اور بانکی پور انڈیا، کی لائبریریوں میں موجود ہیں، سورۂ فاتحہ کی تفسیر اس نسخے کی تصویر پر مبنی ہے جو کتبخانہ کوپریلی میں رقم ۴۷ کے تحت استانبول میں محفوظ ہے اور ساتویں صدی کا لکھا ہوا ہے،

مکتبۂ حمیدیہ (رقم ۳۰) اور مکتبۂ آغا بشیر (رقم ۹)، استانہ (استانبول) کے علاوہ حسب ذیل کتبخانوں میں بھی اسکے نسخے ملتے ہیں:

(۱) نیشنل لائبریری، بانکی پور، رقم ۲۹۴، ساتویں صدی کا لکھا ہوا نسخہ ہے،

(۲) مکتبۂ محمودیہ (تذکرۃ النوادر ص ۱۷)۔

(۳) مکتبۃ الحرم المکی، (ایضا)،

* * *

آج اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے: کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد ہونے کے باوجود اقوام عالم میں انکی حیثیت ایک نہایت پس ماندہ قوم کی ہے؟ اور یہ قوم کسی طرح بھی کسی میدان میں نمایاں نہیں، اسلامی حکومتیں بھی ہیں، مختلف اسلامی ممالک میں پٹرول اور دوسرے معدنیات کی فراوانی بھی ہے، بحراطلانتک سے لیکر بحرالکاہل میں انڈونیشیا اور فلپائن کے جزائر تک مسلمانوں کی آبادیاں اور حکومتیں ہیں، باوجود ان حقایق کے مسلمان حکومتیں ہر طرح مغربی یا اشتراکی اقوام کے زیر بار احسان ہیں،

جواب میں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کم و بیش اسلام کے نام لیوا، الاماشاء اللہ، آج برائے نام اسلام سے نسبت رکھتے ہیں، قرآن حکیم کی تعلیمات کو یہ بھلا چکے ہیں، اور آج مغربی ثقافت کا بھوت ان کے سر پر اسقدر سوار ہے کہ عموماً اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام کو ناقابل عمل اور فرسودہ سمجھتے ہیں، جسکا نتیجہ ہے کہ ہر طبقے کا مسلمان، چاہے وہ حکمران اور مالدار ہو، یا محکوم و نادار، پرانی تہذیب کا گرویدہ ہو یا نئی تہذیب کا خوگر، مدارس کا سندیافتہ ہو یا جامعات کا تعلیمیافتہ، شہری ہو یا دیہاتی سب کے سب کم و بیش مغربی اقدار کے حامل، اور اسلامی احکام سے غافل ہیں ان میں حلال و حرام کی تمیز باقی رہی ہے نہ حق و ناحق کی تفریق، اور جب یہ بنیادی باتیں نہ ہوں تو تبلیغ، اسلامی تعلیم، اور ظاہری عبادات بیکار ہو کر رہگئی ہیں، اصل روح جو اللہ کا خوف ہے اور جسے تقوی کہا گیا ہے نہ ہو تو پھر نام کا مسلمان نہ حرام و مشبہات سے پرہیز کرسکتا ہے نہ رشوت، چوربازاری اور دوسرے ذمائم سے احتراز کرسکتا ہے، اور ایسے افراد پر مشتمل معاشرے میں نہ انصاف و عدل ہوسکتا ہے نہ نظم و نسق، سارا شیرازہ انتشار و اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور رشوت و استحصال کا بازار گرم ہوجاتا ہے، پھر نہ اخلاق فاضلہ کا وجود ملتا ہے اور نہ ظاہری نماز روزہ، ظاہری دینداری لوگوں کو رشوت خیانت اور دوسری برائیوں سے بچاسکتی ہے،

آج اگر ہم میں پھر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اسلام نام ہے احکام خداوندی کے بجا لانے کا ، اور ان خداوندی احکام میں صرف نماز روزہ اور حج ہی نہیں ہیں، بلکہ فرائض خمسہ کے ساتھ ایثار و رواداری برتنا ، دوسروں کے حقوق کی نگہداشت ، حق تلفی ، تعصب دینی ، رشوت ، چور بازاری ، خیانت و جرائم اور ہر قسم کے استحصال سے بچنا بھی داخل ہیں ، تو نہ صرف یہ کہ ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہو جائے اور لوگ آرام اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگیں، بلکہ ایسے افراد پر مشتمل جو معاشرہ وجود میں آئیگا، وہ باوجود قلیل ہونے کے سارے عالم اور اقوام عالم کا رہنما بن جائیگا ، یہی تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے قول 'لها ما کسبت، وعلیها ما اکتسبت' کی، ہر نفس کو اس کے اچھے اعمال کا نیک بدلہ ملیگا اور ہر نفس کو اسکے برے اعمال کا برا خمیازہ بھگتنا پڑیگا ،

سورۂ فاتحہ کی تفسیر ، امام الهدی ابو منصور ماتریدی کی تاویلات اہل السنہ سے ماخوذ قارئین کرام کے لئے اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کی جاتی ہے ، اس امید کے ساتھ کہ اللہ جل شانہ، اپنے کلام کی برکت سے امت مسلمہ کو پھر توفیق دے کہ کتاب الہی کے احکام کو اپنا لائحۂ عمل بنائیں ، اور اسلام کے ان قوانین پر عمل کرنے لگیں جنکو پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ صدی پیشتر دنیا کے سامنے پیش کیا اور جن کو عمل میں لا کر عرب کے گڈریے مسند حکومت کے مالک اور اقوام عالم کے سلطان بن گئے ، وباللہ التوفیق ، واللہ اعلم و ہو خیر رفیق ،

کمترین

محمد صغیر حسن معصومی

ڈائرکٹر

ادارۂ تحقیقات اسلامی،

اسلام آباد

اگست ۱۹۷۱ ع

جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاویلات اہل السنہ

یا

تفسیر ابی منصور ما تریدی

(تصویر نسخہ" کوپریلی رقم ٤٧ ، الصفحہ" ١)

سورة فاتحة" الكتاب

قوله عزوجل الحمد لله احتمل ان يكون جل ثناؤه حمد نفسه ليعلم الخلق استحقاقه الحمد بذاته فيحمدوه ، فان قيل كيف يجوز ان يحمد نفسه ، و مثله في الخلق غير محمود ، قيل له : لو جهين ، احدهما انه استحق الحمد بذاته لا بأحد ليكون في ذلك تعريف الخلق لما يزلفهم لديه بما اثنى على نفسه ليثنوا عليه ، وغيره انما يكون

سورہ فاتحہ کی تفسیر

اللہ عزوجل کے قول "الحمدللہ"، کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے خود اپنی تعریف اس لئے کی ہے کہ اپنی مخلوق کو یہ سکھائے کہ اللہ جل ثناؤہ اپنی ذات سے حمد کا مستحق ہے لوگوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد میں مشغول ہو جائیں۔

اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ تعالی کا اپنی تعریف کرنا کیونکر جائز ہے جب کہ مخلوقات میں کسی کا اپنی تعریف کرنا پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔

جواب میں دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی کے توسط کے بغیر بذاتہ حمد کا مستحق ہے اپنی

ذلك له به جل وعز فعليه توجيه
الحمد اليه لا الى نفسه ، اذ نفسه
لايستوجبه بها بل بالله تعالى.

و الثانى ان الله تعالى حقيق
لذلك اذ لاعيب يمسه ولا آفة
تحل به فيدخل نقصانا فى ذلك ولا
هو خاص بشئ ، والعبد لا يخلوعن
عيوب تمسه و آفات تحل به، ويمدح
بالايتمار ويذم بتركه و فى ذلك
يمكن النقصان و حق لمثله الفزع
الى الله والتضرع اليه ليتغمده
برحمته و يتجاوز عن صنيعه. وعلى
ذلك معنى التكبير نحمد به ربنا
ولا نحمد غيره ، اذ ليس للعبد بمعنى
يستقيم بكبره اذهم جميعا اكفاء
من طريق المحبة والخلقى وما

حمد کے بیان کرنے میں اللہ تعالی اپنے پیدا
کردہ لوگوں کو ایسے نکتے سے متعارف کرتا
ہے جو انہیں اپنے پروردگار سے قریب کر دے
اسطرح کہ اس نے اپنی ثنا کی تاکہ ساری
خلقت اس کی ثنا کرے ، اور باری تعالی کے
سوا دوسرے کی تعریف اللہ عزوجل ہی کے
واسطے سے ہوسکتی ہے ، تو غیر حمد کا
مستوجب اپنے کو نہیں اللہ ہی کو قرار
دے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اسکا مستحق بذاتہ
نہیں بلکہ اللہ تعالی کی وساطت سے ہے۔

دوسری وجہ اپنی حمد کرنیکی یہ ہے کہ
اللہ تعالی حمد کا مستحق ہے کیونکہ اس میں نہ
کوئی عیب پایا جاتا ہے نہ اس پر کوئی
آفت نازل ہو سکتی ہے ، تو اس میں نہ کوئی
کمی واقع ہوسکتی ہے نہ یہ حمد کسی شئے
کے ساتھ خاص ہے ۔ (اس کے برخلاف) بندہ
عیوب سے خالی نہیں اور ناگہانی آفتونکا
نزول اس پر ہوتا رہتا ہے ، حکم بجا لانے پر
حمد کا مستحق ہوتا ہے اور کسی حکم
کے چھوڑنے پر ذم کا مستحق ہوتا ہے ، (نیز)
اسکی مدح میں کمی ممکن ہے ، تو ایسے
بندے کے لئے لائق ہے کہ اللہ تعالی کی
طرف خشوع وخضوع کے ساتھ متوجہ ہوجائے

ادرك أحد منهم من فضيلة او
رفعة فبالله ادركه لابنفسه ، فعليه
تنزيه الرب والفزع اليه بالشكر
لابالتكبر على امثاله، والله عن هذا
الوصف متعال.

و يحتمل ان يكون قوله
الحمد لله على اضمار الامر : اى
قولوا الحمد لله ، لان الحمد يضاف
الى الله فلابد من ان يكون له علينا،
فأمر بالحمد لذلك.

ثم يخرج ذلك على وجهين: احدهما
ماروى عن ابن عباس رضی الله عنه
انه قال: الحمد لله اى الشكر لله بما
صنع الى خلقه فيخرج تاويل، لانه
على هذا الترتيب على الامر بتوجيه
الشكر اليه، وذلك يتضمن الامر
ايضا بكل الممكن من الطاعة

اللہ تعالی اپنی رحمت میں اسے چھپالیگا اور
اسکی کارستانی سے درگزر کرے گا۔

اسی طرح تکبیر کا معنی (واضح ہو جاتا
ہے) کہ ہم اپنے پروردگار کی تعریف اس کی
بڑائی کے ساتھ کرتے ہیں ، دوسرے کی
تعریف نہیں کرتے ۔ کہ بندے کے لئے اسکی
بڑائی کا مفہوم درست نہیں ، کیونکہ سب
بندے محبت و خلقت کے لحاظ سے برابر ہیں۔
ان میں سے کوئی فضیلت و رفعت حاصل
کرتا ہے تو اپنی طاقت سے نہیں بلکہ اللہ
تعالی کے (فضل و کرم) سے حاصل کرتا ہے۔

لہذا بندہ پر واجب ہے کہ اپنے پروردگار
کو ناشایستہ اوصاف سے منزہ اور پاک رکھے
اور شکر کے ساتھ اس کے آگے جزع وفزع کرے
اپنے جیسے لوگوں پر بڑائی نہ چاہے ، اللہ
تعالی اس وصف سے بالاتر اور بے نیاز ہے ،

یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالی کا قول
الحمد للہ صیغہ امر کے اضمار کی تقدیر پر
قولوا کامفعول ہے (یعنی اے لوگو! کہو
ساری تعریفیں اللہ ہی کو سزا وار ہیں) چونکہ
حمد کا سزاوار اللہ ہے اسلئے ہمارا فرض ہے
کہ اس کی تعریف کریں ، تو اسی لئے اللہ
تعالی نے حمد کا امر فرمایا۔

على ماروى عن النبى عليه السلام انه صلى حتى تورمت قدماه، فقيل له أليس قد غفرالله لك ماتقدم من ذنبك وما تأخر، قال أفلا أكون عبدا شكورا؟ فصير انواع الطاعات شكرا له، فمن أطاع الله تعالى فقد شكرله، فيخرج تاويل الايه على هذا ،

والوجه الثانى انه يخرج مخرج الثناء على الله عزوجل والمدح له والوصف بما يستحقه، والتنزيه عما لا يليق به من توجيه التغير اليه وقطع الشركة عنه فى الانعام و الافضال على عباده ،

وعلى ذلك ماروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله عزوجل يقول قسمت الصلوة بينى وبين عبدى نصفين ، فاذا قال العبد

پھر اس کی دو طرح سے تخریج کی گئی ہے ایک وہ جو حضرت ابن عباس سے روایت کی گئی ہے انہوں نے کہا : الحمد للہ کا مطلب ہے کہ شکر اللہ ہی کو سزاوار ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کے ساتھ (سارے احسانات) کیئے - تاویل ظاہر ہے کہ اس ترتیب کی بنا پر یہ امر لازم ہے کہ شکر کو اللہ کی طرف منسوب کریں ، یہ امر اس بات کو بھی شامل ہے کہ ہر ممکن طاعت کی بجاآوری کے ساتھ (شکر ادا کریں) چنانچہ پیغمبر علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ آپ اس قدر نمازیں پڑھتے کہ آپ کے پانوں متورم ہو جاتے - کسی نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالی نے آپ کے اگلے اور پچھلے سارے گناھوں کو بخش دیا ہے پھر کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ھیں؟ آپ نے جواب دیا کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں ؟ غرض آپ نے طاعت کی تمام اقسام کو اللہ کے شکر کا طریقہ قرار دیا تو جس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالی کا شکریہ ادا کیا ، اس طرح اس آیت کی تاویل ظاہر ہے ،

دوسری وجہ یہ ہے کہ الحمد للہ اس امر کے قائم مقام ہے کہ ساری ثناء اللہ کے لئے ہے اور ساری مدح اسی کے لئے ہے - اور

الحمد لله رب العالمين، قال الله تعالى حمدنى عبدى ، فجعل الحمد هذا الحرف وصيره منه ثناءا لوجهين:

احدهما انه نسب الربوبية اليه فى جميع العالم و قطعها عن غيره ،

والثانى انه سمى ذلك صلاة والصلاة اسم للثناء والدعاء وذلك خلاف الذم و نقيضه ، و فى الوصف بالبراءة من الذم مدح وثناء بغاية المدح و الثناء ، ولذلك يفرق القول بين المدح والشكر اذا امرنا بالشكر للناس بماجاء عن رسول الله عليه السلام ان من لم يشكر الناس لم يشكر الله ، صيره بمعنى المجازاة. والحمد بمعنى الوصف بما هو اهله، فلم يستحب الحمد الا لله ، و بالله التوفيق ،

ہر اس وصف کے ساتھ جسکا وہ مستحق ہے متصف ہے، اور ہر نا زیبا چیز سے پاک و منزہ ہے ، کسی قسم کی تبدیلی اس کے لائق نہیں اور اپنے بندوں پر انعام و اکرام کرنے میں کسی کو اپنا ساجھی اور شریک نہیں بناتا -

اسی طرح کی روایت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی گئی ہے کہ اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا ہے چنانچہ جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین تو اللہ تعالی فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی - پس اللہ تعالی نے اس حرف کو حمد قرار دیا اور اس کو اپنے بندے کی طرف سے ثناء بنایا ، جس میں دو نکتے ھیں :

ایک نکتہ یہ کہ سارے عالم کی پرورش کرنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اپنے ماسوا سے اس کی نفی کر دی ،

دوسرا نکتہ یہ کہ اس حمد کو اللہ تعالی نے صلاۃ سے تعبیر کیا ، صلاۃ نام ہے ثناء اور دعاء کا ، جو ذم کی ضد اور نقیض ہے ، برائی سے بری گرداننے کو مدح و ثنا بلکہ غایت مدح و ثنا کہا ہے، چنانچہ مدح و شکر کے لئے الگ الگ الفاظ ھیں - ہم لوگوں

وقوله رب العالمين روی عن ابن عباس رضی الله عنه انه قال سید العالمین ، والعالم کل من دب علی وجه الارض . وقد یتوجه الرب الی الربوبیه" لا الی السودد، اذ یستقیم القول برب کل شئی من بنی آدم وغیره نحو رب السموات والارضین و رب العرش ونحوه، وغیر مستقیم القول بسید السموات و نحوه، و قد یتوجه اسم الرب الی المالك، إذ كل من ینسب الیه الملك یسمی انه مالكه، ولایسمی انه سید الا فی بنی آدم خاصه" ، واسم الرب یجمع ذلك کله ، لذلك کان التوجیه الی (الصفحه) المالك اقرب ، و ان احتمل المروی عن ابن عباس رضی الله عنه اذهو فی الحقیقه" سید من ذکر و ربهم ، والله الموفق ،

کو شکر ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر نہیں ادا کرتا، اللہ تعالی نے اسکو جزاء دینے کے معنی میں وضع کیا ہے، الحمد کا مفہوم اس چیز کے ساتھ متصف ہونا ہے جسکا وہ مستحق ہے، تو حمد اللہ تعالی ہی کے لئے سزاوار اور مستحسن ہے، وباللہ التوفیق، اللہ تعالی کے قول رب العالمین ، کے معنی کی وضاحت کے متعلق حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ، اسکا مفہوم سید العالمین، (سارے جہان کا سردار) ہے اور عالم ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو روئے زمین پر رینگتا ہے ،

رب ، پروردگار، کی توجیہ ربوبیت سے کی جاتی ہے، سرداری سے نہیں، کیونکہ بنی آدم اور غیر بنی آدم میں سے ہر شی کے رب کیلئے یہ قول درست ہے، مثلاً آسمانوں اور زمینوں کا رب ، عرش کا رب، وغیرہ ، اور سید السموات وغیرہ کہنا صحیح نہیں،

اسم رب کی توجیہ مالك سے بھی کی جاتی ہے، کیونکہ جسکی طرف ملك کی نسبت کی جاتی ہے اس کو مالك کہتے ہیں، اور سید

ثم اختلف اهل التفسیر فی العالمین،

فمنهم من رد الی کل ذی روح دب علی وجه الارض،

ومنهم من رد الی کل ذی روح فی الارض وغیرها ،

ومنهم من قال لله کذا وکذا عالم ،

و التاویل عندنا ما اجمع اهل الکلام ان العالمین اسم لجمیع الانام والخلق جمیعا ،

و قول اهل التفسیر یرجع الی مثله، إلا انهم ذکروا اسماء الاعلام ، واهل الکلام مایجمع ذلك وغیرهم.

ثم العالم اسم للجمیع ، وکذلك الخلق ، ثم تعریف ذلك بالعالمین و الخلایق یتوجه الی جمع الجمع من غیر ان یکون فی التحقیق

بنی آدم میں خاص طور پر مستعمل ہے، اور اسم رب مالك اور سید سبکو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے، اسی وجہ سے اس کی توجیہ مالك کے ساتھ زیادہ مناسب ہے، اور حضرت ابن عباس کی روایت اسی کا احتمال رکھتی ہے ، کیونکہ اللہ تعالی ، درحقیقت سارے ذکر کئے جائے والوں کا سردار رب ہے، واللہ الموفق،

مزید یہ کہ 'عالمین، کے بارے میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے، بعض اس سے مراد ہر اس ذی روح کو لیتے ہیں جو روے زمین پر رینگتا ہے، بعض اس سے ہر روح والے کو جو زمین اور غیر زمین میں موجود ہیں مراد لیتے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی کے لئے ایسے ایسے عالم ہیں۔

ہمارے نزدیک علم کلام کے ماہرین کی تاویل یہ ہے کہ عالمین سارے لوگوں اور جمیع مخلوقات کا نام ہے،

اہل تفسیر کے بیان میں ایسے ہی اقوال قابل اعتناء ہیں، البتہ یہ لوگ اشخاص کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں، اور اہل کلام اس لفظ کو اشخاص وغیر اشخاص کے اسماء کا جامع بناتے ہیں،

علاوہ ازیں عالم سارے موجودات کا اسم ہے ، اسی طرح لفظ خلق ہے ،

تفاوت ، وقد يتوجه الى عالم كل زمان وكذا خلق كل زمان على حكم تجدد العالم، وبالله التوفيق ،

و فى ذلك ان الله ادعى لنفسه العالمين كلهم من تقدم و تاخر، و من كان يكون لم يقدره احد ان ينطق بالتكذيب ، يدعى شيئاً من ذلك لنفسه. دل ذلك على ان لا رب غيره ولا خالق لشى من ذلك سواه ، اذ لا يجوز ان يكون حكيما او الها ينشئ ويبدع ولا يدعيه، ولا يفصل ما كان منه ما كان لغيره، وبنفسه قام ذلك لا بغيره، وعلى ذلك معنى قوله تعالى وما كان معه من اله اذا لذهب كل اله بما خلق ، فهذا مع ما فى انسان التدبير واجتماع التضاد، وتعلق حوائج بعض ببعض وقيام منافع بعض ببعض على تباعد

نیز عالمین اور خلایق کو معرف بنانے سے مقصود یہ ہے کہ وہ سبکو جامع ہے اور اس کی تحقیق وتثبیت میں کوئی امتیاز و تفاوت نہیں ، اور کبھی تجدد عالم کے حکم کے بموجب عالمین ہر زمانے کے عالم اور اسی طرح ہر زمانے کی خلق کے لئے جامع ہے، اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے،

ان لفظوں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کا دعوی ہے کہ سارے اگلے پچھلے عالم اللہ ہی کے ملک ہیں ، اور جو ہو چکے اور جو ہونگے سب اسی کے لئے ہیں ، کسی کو اللہ کی تکذیب میں گویائی کی قدرت نہیں اور نہ اپنے لئے کسی شئی کا دعوی کرنے کی طاقت ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی رب ہے، اور نہ کسی شئی کا خالق. یہ جائز نہیں کہ ایک حکمت والا اور ایک معبود انشاء وابداع سے کام لے اور اس کا دعویدار نہ ہو ، اور اپنی مخلوق اور غیر کی بنائی ہوئی چیز میں فرق نہ کرے، اللہ تو اپنی ذات پر قایم ہے کسی کے بل بوتے پر نہیں ، یہی مفہوم ہے اللہ تعالی کے قول کا جب وہ فرماتا ہے'' اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہیں ، ورنہ ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا ''.

بعض من بعض و تضادها دليل واضح على ان مدعى ذلك كله واحد، وانه لايجوز كون مثل ذلك عن غير مدبر عليم، و الله المستعان،

و قوله الرحمن الرحيم ، اسمان ماخوذان من الرحمه، لكنه روى فيهما رقيقان ، احدهما ارق من الاخر، وكان الذى روى عنه هذا ارادبه ''لطيفان احدهما الطف من الاخر''. دليل ذلك وجهان احدهما مجئ الاثر فى ذلك اللطيف فى اسماء الله تعالى مع مانطق به الكتاب، ولم يذكر فى شئى من ذلك رقيق ومعنى اللطيف فى استخراج اسرار الامور الخفيه* وظهورها له كقوله ''انها إن تك مثقال حبه من خردل فتكن فى صخرة ، الى قوله لطيف خبير. وبالله التوفيق ،

ان سب باتوں کے ساتھ یہ واضح ہے کہ انسان میں تدبیر اور اضداد کو اکھٹا کرنے کی صلاحیت ہے، بعض کی حاجتیں بعض کے ساتھ وابستہ ہیں، بعض کے منافع بعض دوسروں کے ساتھ قائم ہیں. ساتھ ہی بعض کو بعض سے بعد وتضاد ہے، ان ساری حقیقتوں سے اس بات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ ان سب کا دعویدار ایک ہے، اور یہ مدعی بڑی تدبیر اور علم کی مہارت رکھنے والے کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا : اور اللہ ہی سے مددکی امید کی جاتی ہے، —

اور اللہ تعالیٰ کا قول 'الرحمن الرحیم' ایسے دو اسماء پر مشتمل ہے جو لفظ رحمت ، بمعنی مہربانی سے ماخوذ ہیں ، لیکن ان کے بارے میں روایت ہے کہ رقیق کے معنے میں ہیں. البتہ مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ رقیق ہے. جس نے یہ بیان کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم لطیف ہے، البتہ ایک دوسرے سے لطیف تر ہے ، اسکی دلیل دو طرح بیان کی جاتی ہے ، ایک یہ کہ اسماء باری تعالی کے متعلق آثار مروی ہیں جن سے لطیف کی وضاحت ہو جاتی ہے ، ساتھ ہی قرآن پاک خود ناطق ہے، اور کسی میں ' رقیق ' کا ذکر نہیں ہے ، اور پوشیدہ

* المخطوطه: فى استخراج اسرار الخفيه

والثاني ان اللطيف حرف يدل على البر والعطف، والرقة" على رقة" الشئ، التي هي نقيض الغلظ والكثافة" "كما يقال فلان رقيق القلب، واذا قيل فلان لطيف ، فانما يراد به بار عاطف فلذلك يجوز لطيف، ولا يجوز رقيق ،

و كذلك فسر من فسر الرحمن العاطف على خلقه بالرزق، وذهب بعضهم، وهم الاقل، الى اللطافه"، وذلك بعيد، وانما هو من اللطف ،

وقوله احدهما ارق من الاخر بمعنى اللطف ، يحتمل وجهين ، احدهما التحقيق بأن اللطف باحد الحرفين اخص والیق و اوفر و اکمل، فذلك رحمته بالمومنين انه يقال رحيم بالمومنين على تخصيصهم بالهدايه" لدينه ولذا ذكر امته ،

اسرار الٰہی کے ظہور اور استخراج میں 'لطیف، کا مفہوم باریکی ھی ھے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ھے یہ اگر رائی کے دانے کے برابر ھو اور کسی سخت پتھر میں پنہاں ھوجائے . . . اللہ بڑا لطف والا اور خبردار ھے، اور اللہ ھی سے توفیق حاصل ھوتی ھے۔

دوسری وجہ یہ ھے کہ لفظ لطیف نیکی، نرمی اور رقت پر دلالت کرتا ھے اور رقت کا اطلاق ایسی شئے پر ھوتا ھے جس میں کثافت اور گاڑھا پن بالکل نہ ھو جیسے کہا جاتا ھے فلاں شخص بڑا رقیق القلب ھے یعنی نرم دل ھے، اور جب کسی کو لطیف کہا جاتا ھے تو مراد یہ ھوتی ھے کہ وہ نیکی کرنے والا مہربان ھے، ایسی جگہ لطیف کہنا جایز ھے رقیق کہنا جایز نہیں ،

اسی طرح بعض نے یہ تفسیر بیان کی ھے کہ رحمان وہ ھے جو اپنی مخلوق کو روزی پہنچا کر ھمدردی کرتا ھے، اور بعض جو تعداد میں بہت کم ھیں یہ خیال ظاہر کرتے ھیں کہ رحم لطافت کے معنے میں ھے، اور یہ بعید ھے اسلئے کہ یہ لفظ لطف سے مشتق ھے، جسکے معنی نرمی کرنے کے ھیں ،

وان اشركهم في الرزق فيما يراهم غيرهم،

ألاترى انه لايقال رحمن بالمومنين وجائز القول رحيم بهم، وكذلك لايقال رحيم بالكافر مطلقا، وبالله التوفيق،

و وجه آخر ان احدهما الطف من الآخر، كانه وصف الغايه" في اللطف حتى يتعذر وجه ادراك ما في كل واحد منهما من اللطف، او يوصف بقطع الغايه" عما يتضمنه كل حرف ، وبالله التوفيق،

و وجه آخر ان احدهما تم في هذا ان اسم الرحمن هو المخصوص به الله ، لا يسمى به غيره ،

اس قول کی ، کہ لطف کے معنی میں ایک دوسرے سے رقیق تر ھے، دو توجیہیں کی جاسکتی ھیں: پہلی توجیہ درحقیقت اس بات کی تثبیت ھے کہ ان دو لفظوں میں سے ایک کے ساتھ لطف مخصوص ، مناسب ، زیادہ وافر اور پورے کمال کے ساتھ مختص ھے ، جسکی مثال اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں پر مہربان ھونا ھے ، کہ وہ کہتا ھے : رحیم بالمؤمنین، اسطرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی ہدایت کے ساتھ انہیں کو مخصوص کیا ، اور اپنی است کے لقب سے ان کا ذکر کیا ، اگرچہ رزق میں بظاھر انکو دوسروں کا شریک بنایا ھے۔

کیا تم۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کو ''رحمان بالمؤمنین،، نہیں کہا جاتا ، اور ''رحیم بالمؤمنین،، کہنا جایز ھے، اسی طرح مطلقاً ''رحیم بالکافر،، نہیں کہا جاتا اور اللہ ھی سے توفیق حاصل ھو سکتی ھے ،

ایک وجہ یہ بھی ھے کہ ان دونوں لفظوں میں سے ایک دوسرے سے لطیف تر ھے، گویا اللہ تعالیٰ نے لطف کی انتہاء اس طرح بیان کی ھے کہ دونوں میں جو لطف ھے اس کے ادراک کی وجہ مشکل ھے، یا ان میں سے ہر لفظ جس لطف کو شامل ھے، وہ حد بیان سے باہر ھے۔ و باللہ التوفیق۔

دوسری توجیہ یہ ھے کہ دونوں لفظوں میں سے ایک اس بات میں تام و کامل ھے، کہ اسم رحمن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ھی مخصوص

والرحیم یجوز تسمیة غیرہ به، فلذلک یوصف ان الرحمن اسم ذاتی، والرحیم فعلی،

و ان احتمل ان یکونا مشتقین من الرحمة، و دلیل ذلک انکار العرب الرحمن، ولا احدمنهم انکر الرحیم، حیث قالوا "لا ندری ما الرحمن أ نسجد لما تامرنا"، و ذلک قوله: قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن ایاما تدعوا۔ یدل علی انه ذاتی لافعلی، واذا کان الفعل صفة الذات (ص ۳) اذمحال صفته بغیرہ، لما موجب ذلک الحاجة الی غیرہ لیحدث له الثناء والمدح، وما خلق الخلق انفع الامتداح وهو عن ذلک متعال بل بنفسه مستحق لکل مدح وحمد، ولا قوة الا بالله،

ہے، دوسرے کو رحمان نہیں کہا جاتا ہے اور رحیم اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے، چنانچہ 'رحمن، کو اسم ذاتی اور 'رحیم، کو اسم فعلی بیان کرتے ہیں،

اس بات کا احتمال بھی ہے کہ دونوں اسماء رحمة سے مشتق ہیں، اور اسکی دلیل یہ ہے کہ عرب 'رحمان، کا انکار کرتے تھے، البتہ کسی عربی نے کبھی 'رحیم، کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے بیان کو دھراتا ہے، "ہم نہیں جانتے 'رحمن، کیا ہے کیا ہم اسکو سجدہ کریں جسکے سجدہ کا حکم تم ہمکو دیتے ہو"، اور اللہ کا یہ قول "قل ادعوااللہ . . تدعوا"، فرما دیجئے تم اللہ سے دعا کرو یا رحمان سے دعا کرو، جس سے تم چاہو دعا کرو کیونکہ اللہ کے سب نام عمدہ اور خوب ہیں"، ظاہر کرتا ہے کہ لفظ رحمان ذاتی ہے فعلی نہیں کیونکہ جب کسی فعل کا ثبوت کسی ذات کے لئے ہو تو یہ محال ہے کہ اس ذات کے سوا دوسرے کے ساتھ متصف ہو جائے، ورنہ یہ لازم آئیگا کہ اپنی ثناء و مدح کے لئے ذات غیر کی محتاج ہو اور اللہ نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ مدح وتعریف سے نفع اٹھائے ۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کے احتیاج سے بالاتر ہے وہ تو خود بلا کسی کی وساطت کے مدح وستایش کا مستحق ہے۔ اور اللہ ہی سے

وروی فی خبر القسمة ان العبد اذا قال الرحمن الرحیم قال الله تعالی اثنی علی عبدی، واذا قال مالک یوم الدین، قال مجدنی عبدی، وذکر انه قال فی الاول بالتمجید وفی الثانی بالثناء، وذلک واحد لان معنی الثناء الوصف بالمجد والکرم والجود، والتمجید هو الوصف بذلک ' و بالله التوفیق،

ثم اجمع انه قوله مالک یوم الدین انه یوم الحساب والجزاء، وعلی ذلک القول 'انا لمدینون، وقوله یومئذ یوفیهم الله دینهم الحق وهو الجزاء، ومن ذلک قول الناس کما تدین تدان،

وجایز ان یکون مالک یوم الدین علی جعل ذلک الیوم لما یدان الیوم اذبه یظهر حقیقته وعظم مرتبته، وجلیل موقعه عند ربه،

طاقت و توانائی ملتی ہے۔

عبادات کی تقسیم والی حدیث میں یہ بیان موجود ہے کہ بندہ جب 'الرحمن الرحیم، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی، اور جب 'مالک یوم الدین، کہتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی و عظمت بیان کی۔ ایک روایت میں اول میں تمجید اور ثانی میں ثناء کا ذکر آیا ہے، بہرکیف دونوں روایتوں کا مفہوم ایک ہی ہے، کیونکہ مجدوکرم اور جود بیان کرنے کو ثنا کہتے ہیں اور تمجید میں بھی انہیں اوصاف کا بیان ہوتا ہے، وباللہ التوفیق،

مالک یوم الدین میں یوم دین کے مفہوم پر امت کا اجماع ہے کہ حساب وجزاء کا دن ہے، اسی بنا پر کہیں گے "انالمدینون"، "البتہ ہمیں ضرور بدلہ ملیگا"، دوسری آیت ہے: یومئذ یوفیهم اللہ الخ اس دن اللہ تعالیٰ انکے حق دین کا بدلہ پورا پورا دیگا۔ اسی معنی میں لوگوں کا مقولہ ہے: وکما تدین تدان، جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔

یہ بھی جائز ہے کہ مالک یوم الدین میں یوم کواس جزا اور بدلہ کے لئے بنا دیا جائے جو

و فی الایة" دلالة" وصف الرب
بملك مالیس بموجود لوقت الوصف
بملکه ، وهو یوم القیمه" ، ثبت ان
الله یجمع ما یستحق الوصف به
یستحقه بنفسه لابغیره،

و لذلك قلنا نحن هو خالق لم
یزل، و رحیم لم یزل ، وجواد لم
یزل، و سمیع لم یزل ، وان كان
ماعلیه وقع ذلك لم یکن، وکذلك
نقول هو رب كل شئ ، و اله كل
شئ فی الازل، و ان کانت
الاشیاء حادثة" ، کما قال : مالك
یوم الدین الیوم، و ان كان
الیوم فعلا' غیر حادث ، و بالله
التوفیق ،

و قوله ایاك نعبد ، فهو، والله
اعلم ، علی اضمار الامر ای قل
ذا ، ثم لم یجعل له ان یستثنی

' المخطوطه" . فعل

اس دن دیا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک
اسکی حقیقت ظاہر ، اسکا مرتبہ بلند اور اسکی
وقعت بیحد ہے ،

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی رہنمائی
ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ سزاوار
ہے کہ یوم کے ملک کے ساتھ متصف کیا
جا سکتا ہے ، جو اس وصف کے بیان کرنے کے
وقت موجود نہ ہو یعنی قیامت کا دن ۔ اس سے
یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالی ان سارے
اوصاف کا جامع ہے جنکا وہ مستحق ہے ۔
کیونکہ وہ بنفسہ ان کا مستحق ہے بغیرہ نہیں

اسی طرح ہم اللہ تعالی کے بارے میں کہتے
ہیں ”اللہ ہر شے کا پروردگار ہے، ہمیشہ سے
ہر شے کا معبود ہے،، ، اگرچہ ساری چیزیں
حادث ہیں، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا
ہے: ، اللہ تعالی آج بدلہ کے دن کا مالک
ہے ، اگرچہ ' دن ، ایک فعل غیر حادث ہے ،
اور ہم اللہ ہی سے توفیق چاہتے ہیں ۔

اور اللہ تعالی کا قول : ”ایاك نعبد ،،
(خاصکر تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں)
واللہ اعلم ، صیغہ' امر کے اضمار پر مبنی ہے ،
یعنی ”یہ کہو ،، پھر اس قول میں کسی
استثناء کی رعایت نہیں کی گئی ہے ۔ بلکہ ہر

فی القول به بل الزمه القول
بالقول فیه ، ثم هو یتوجه و جهین:
احدهما الحال القول به علی الخبر
عن حاله ، فیجب ان لا یستثنی
فی التوحید ، و ان من یستثنی
فیه عن شك فیستثنی ، و الله تعالی
وصف المؤمنین بقوله : انما
المؤمنون الذین آمنوا بالله و
رسوله ، ثم لم یرتابوا ، الایة" ،

و کذا سئل رسول الله صلی
الله علیه وسلم عن افضل
الاعمال ، فقال : ایمان لا شك
فیه ،

و الثانی عن احوال التی تردد
فی ذلك لکنه اذا کان ذلك علی
اعتقاد المذهب لم یجز الشك فیه ،
اذ المذاهب لا تعتقد لاوقات ،
انما تعتقد للابد ، لذلك لم یجز
الثناه فیه فی الابد ، و بالله التوفیق ،

ایک کے لئے اللہ تعالی کے بارے میں یہ کہنا
لازم قرار دیا گیا ہے ۔

نیز، اس کی دو توجیہیں ہیں ۔ پہلی یہ ہے
کہ عبادت ایک ایسی حالت ہے جسکے متعلق
کچھ کہنا اس حالت کی خبر دینے کی بنا
پر ہے ، تو توحید میں یہ واجب ہے کہ استثناء
نہ ہو، اور جو شخص شک کی بنا پر استثناء
کرتا ہے تو وہ کرے، اور اللہ تعالی نے
ایمان والوں کی صفت اس طرح بیان کی ہے:
”جزاین نیست کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں
جو اللہ اور رسول کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر
شک نہیں کرتے ،، الایہ" ۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سوال کیا گیا ، سب سے عمدہ عمل کیا
ہے؟ آپ نے فرمایا : وہ ایمان جس میں شک
نہ ہو ،

دوسری توجیہ وہ حالات ہیں جو عبادت
میں تردد و شبہہ کے حامل ہیں ، لیکن جب
ان کا تعلق مذہب کے اعتقاد سے ہو تو اس
میں شک و شبہہ جائز نہیں ، کیونکہ مذاہب
کا اعتقاد کسی خاص وقت کے لئے نہیں ہوتا
وہ تو ابد تک کے لئے ہوتا ہے ، اسی لئے
ابدی عقیدے میں استثناء جائز نہیں ، اور اللہ
ہی سے توفیق ملتی ہے ۔

ثم قوله اياك نعبد يتوجه وجهين :

احدهما الى التوحيد ، و كذا روى عن ابن عباس رضى الله عنه ، انه قال : كل عبادة فى القرآن فهو توحيد ،

و الوجه الاخر ان يكون على كل طاعة ان يعبد الله بها ، و اصلها يرجع الى واحد ، لما على العبد ان يوحد الله فى كل عبادة لا يشرك بها أحدا بل يخلصها ليكون موحدا لله بالعبادة والدين جميعا ، و على ذلك قطع الطمع والخوف والحوائج كلها عن الخلق ، و توجيه ذلك الى الله تعالى ، بقوله: انتم الفقراء الى الله ، و الله هو الغنى الحميد ، وعلى ذلك المؤمن لا يطمع فى

نیز اللہ تعالی کے فرمان 'ایاك نعبد' سے دو باتیں ظاھر ھیں ، اول توحید خالص، چنانچه حضرت ابن عباس سے روایت ھے ، فرماتے تھے قرآن پاک میں جو عبادت مذکور ھے وہ توحید ھے ، ثانی ، یه که اللہ تعالی کی عبادت ھر طرح کی فرمانبرداری کے ساتھ ضروری ھے ، اور ھر قسم کی طاعت کی اصل ایک اور صرف ایک ھے ، اس لئے که بندہ پر فرض ھے که ھر عبادت میں اللہ تعالی کو ایک جانے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نه ٹھرائے ، بلکه اپنی عبادت خالص طور پر اللہ کے ساتھ مختص کرے تاکه ھر طرح عبادت دین اور عقیدے میں اللہ کی توحید کا اظہار کرے، اس طرح لالچ، خوف سے بندہ دور رھے گا اور اپنی حاجتوں کے لئے کسی مخلوق کی طرف متوجه ھونے کی بجائے پوری لگن کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف توجه کریگا ، اور اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق مخلوق کو کہے گا تم سب اللہ کے محتاج ھو ، اور اللہ ھی غنی اور قابل ستائش ھے، اس طرح ایک ایمان دار حقیقت میں اللہ کے سوا کسی سے لو نہیں لگاتا ، اور نه کسی سے اپنی حاجت بیان کرتا ھے، اور نه کسی سے اللہ تعالی کے بتائے ھوئے طریقے کے سوا ڈرتا ھے۔

الحقيقة باحد غير الله ، ولا يرفع اليه الحوائج ،

ولا يخاف الا من الوجه الذى يخشى ان الله جعله شيئا لوصول بلاء من بلاياه اليه على بدنه ، فعلى ذلك يخافه او يرجو ان يكون الله تعالى جعل سبب ما وقفه اليه على بدنه فبذلك يرجو ويطمع فيكون ذلك من الضالين ، ليكون فى ذلك التعوذ من جميع انواع الذنوب و الاستهداء الى كل انواع البر۔

ثم التسمية ، هى آية من القرآن وليست من فاتحة القرآن ۔

دليل جعلها اية ماروى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال لابى بن كعب : لاعلمنك آية لم تنزل على احد قبلى الا على

بعض چیزیں ایسی ھیں جن سے ڈرنا چاھیے که اللہ تعالی نے انکو اس قابل بنایا ھے که اس کے حسب منشا کسی ابتلاء و آزمائش کو انسان کے بدن تک پہنچادیں ، تو ایسی چیزوں سے ڈرنا برحق ھے، یا یه امید رکھے که اللہ تعالی اس ابتلاء کو اس کے بدن سے دور کرنے کا کوئی سبب بنائے ، بنابریں اگر بندہ ان اسباب سے امید و طمع رکھے گا تو گمراھوں میں سے ھو جائے گا۔ غرض ھر قسم کے گناھوں سے اللہ ھی کے ھاں پناہ ڈھونڈنی چاھیے اور ھر قسم کی نیکی کی ھدایت و رھنمائی اسی سے طلب کرنی چاھیے۔

نیز "بسم اللہ الرحمن الرحیم"، قرآن پاک کی ایک آیت ھے ، سورۃ فاتحه کی آیت نہیں ھے ،

(تسمیه کے آیت ھونے کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیه و سلم کی حدیث ھے که آپ نے ابی بن کعب سے فرمایا : البته تمکو میں ایک ایسی آیت سکھاؤنگا جو مجھ سے پہلے کسی پر نازل نه ھوئی ، ھاں صرف سلیمان بن داؤد پر وہ اتاری گئی تھی ، پھر آپ نے اپنا ایک قدم بڑھایا ، پھر فرمایا "اے ابی یه وہ آیت ھے جس سے قرآن پاک کی قرات شروع کی جاتی ھے ، ابی نے کہا : 'بسم اللہ

سليمان بن داؤد ، فاخرج احدى قدميه ، ثم قال له يا أبي آيه" يفتتح القرآن ، قال بسم الله الرحمن الرحيم ، فقال : هي هي -

ففي هذا انها آيه" من القرآن وانها لو كانت من السور لكان يعلمه بما . . . . . ايه" (ص ؛) لا آيه" واحدة ، ولو كانت منها أيضا لكان لا يجعلها مفتاح القرآن ، بل يجعلها من السور ،

ثم الظاهر ان لم يتكلف تفسيرها على ابتداء السورة ، ثبت انها ليست منها ،

وكذلك ترك الامه" الجهر بها على العلم بأنه لا يجوز ان يكون رسول الله عليه السلام يجهر بها ثم يخفي ذلك على من معه ، و ان يكون غفلوا ، ثم يضيعون سنته بلا نفع يحصل لهم ، حتى

الرحمن الرحیم ، حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : وہی ، وہی ، اس حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ بسم اللہ ، قرآن حکیم کی ایک آیت ہے ، اگر سورتوں میں اسکا شمار ہوتا تو آپ ضرور تعلیم دیتے کہ یہ سورہ کی آیت ہے ، اور آپ اپنے مبارک الفاظ ' ایک آیت ، سے تعبیر نہ کرتے ۔ نیز اگر سورہ فاتحہ کی آیت ہوتی تو آپ بسم اللہ کو قرآن کی ''مفتاح،، نہ فرماتے بلکہ سورتوں کی ایک آیت قرار دیتے ۔

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ اس آیت کی تفسیر سورہ فاتحہ کی ابتدا کی حیثیت سے نہیں کی جاتی ہے ، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ،

اسی طرح امت نے بسم اللہ کو زور سے پڑھنا ترک کیا ہے ، یہ اس یقین کے ساتھ کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اس کی قرات زور سے فرماتے اور آپ کے ساتھیوں کو اس کی خبر نہ ہوتی ، یا آپ کے اصحاب غافل ہوتے اور بغیر کسی نفع کے حصول کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی سنتوں کو ضایع کر دیتے یہاں تک کہ امت عہد بعہد متوارثا اس کی جہری قرات ترک کرتی گئی اس احتمال کے ساتھ کہ بسم اللہ

توارثت الامه" تركها فيما يحتمل ان يكونوا الجهر سنه" ، ثم يخفي -

فيكون في فعل الناس دليل واضح انها ليست من السور ،

و دليل آخر على ذلك ما روى عن رسول الله صلى الله عليه و سلم انه قال قسمت الصلاة بيني و بين عبدى نصفين ،

فاذا قال العبد الحمدلله الى قوله مالك يوم الدين ، فقال هذا لي و هي ثلاث آيات ، و قال بعد قوله اهدنا الى آخرها ، هذا لعبدى ثلاث ، انها ثلاث آيات لتستوى القسمه" ،

ثم قال في قوله : اياك نعبد واياك نستعين ، هذا بيني و بين عبدى نصفين ،

فثبت انها آيه" واحدة ، فصارت بغير التسميه" سبعا ، و ذلك قول

کی جہری قرات سنت ہے مگر لوگوں پر یہ امر پوشیدہ رہا ۔ غرض لوگوں کے فعل سے یہ دلیل واضح ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز یا آیت نہیں ہے ۔

دوسری دلیل اس آیت کے فاتحہ سے نہ ہونے کی وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بیان کی گئی ہے ، کہ اللہ تعالی نے کہا ہے : نماز کو میں نے اپنے اور اپنے بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر دیا ہے ،

جب بندہ الحمد للہ سے لیکر مالک یوم الدین تک کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ آیتیں میرے لیے ہیں ، اور یہ نصف تین آیتیں ہیں ، اور جب بندہ ، اهدنا سے آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ تین آیتیں میرے بندے کے لئے ہیں ، ظاہر ہے کہ دونوں حصے تین تین آیات پر مشتمل ہیں تاکہ تقسیم مساوی ہو ۔

پھر اللہ تعالی ، ایاك نعبد و ایاك نستعین ، کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ میرے اور بندہ کے درمیان نصف نصف ہے ، تو اس فرمان سے اس آیت کا ایک ہونا ثابت ہوا ، اس طرح سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کے سوا سات

الجمیع ، انها سبع ایات مع ما لم یذکر فی خبر القسمة" فثبت انها دونها سبع آیات ،

وقد روی عن انس بن مالك انه قال صلیت خلف رسول اللہ و خلف ابی بکر و عمر و عثمان فلم یکونوا یجهرون بسم اللہ الرحمن الرحیم ، و روی ذلك عن علی و عبداللہ بن عمر و جماعة" ، و هو الامر المعروف فی الامة" مع ما جاء فی قصة" السحر ان العقد کانت احدی عشرة ، و قرأ[1] علیها المعوذتین دون التسمیة" ، فکذا غیرها من السور مع ما إن جعلت مفتاحا کانت کالتعوذ۔ و اللہ الموفق ،

والاصل عندنا ان المعنی الذی تضمنه فاتحة" القران فرض علی

[1] المخطوطة" : قرئی

آیتیں پائی گئیں ، اور سب لوگوں کا بھی قول ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں قطع نظر اس کے جو تقسیم عمل والی حدیث میں مذکور نہیں ، تو یہ ثابت ہوا کہ سورہ فاتحہ تنہا سات آیتوں پر مشتمل ہے جس میں بسم اللہ شامل نہیں ہے ،

انس بن مالك رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے نیز حضرت ابوبکر ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ، وہ سب بسم اللہ الرحمن الرحیم بآواز بلند نہیں پڑھتے تھے ،

حضرت علی ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے بھی بھی روایت ہے، اور یہ امت میں مشہور بات ہے، اسی سلسلے میں قصہ سحر کے ذکر میں روایت ہے کہ جادو کی گرہیں گیارہ تھیں جنپر قل اعوذبرب الفلق اور قل اعوذبرب الناس کی سورتیں بسم اللہ کے بغیر پڑھی گئیں ، تو دوسری سورتیں بھی تعوذ کی سورتوں کی طرح ہوئیں ، ساتھ ہی یہ امر ہے کہ اگر بسم اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان کے مطابق قرآن کی کنجی سمجھیں تو یہ بھی تعوذ کے

جمیع البشر اذ فیه الحمد للہ والوصف له بالمجد و التوحید له والاستعانة" به و طلب الهدایة" وذلك كله یلزم كافة" العقلاء من البشر اذ فیه معرفة" الصانع علی ما هو معروف ، والحمد له علی ما یستحقه اذ هو المبتدی بنعمه علی جمیع خلقه ، والیه فقر کل بقدر حاجة" کل یحتاج ، فصارت لنفسها بما جعلت الخصال التی بینا فریضة" علی عباد اللہ ، ثم لیست هی فی حق الصلاة فریضة" ، و ذلك نحو التسبیحات بما فیها من تنزیه اللہ ، والتکبیرات بما فیه من تعظیمه فریضة" نفسها ، إذ لیس لأحد ان لا ینزه ربه ولا یعظمه من غیر ان

مثل ہے،، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے،

ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ جو مفہوم فاتحہ" القرآن میں شامل ہے وہ جمیع بشر پر فرض ہے، یہ مفہوم اللہ تعالی کی حمد اس کی عظمت و وحدانیت کے وصف کا بیان ، اس سے ھدایت و مدد کی درخواست ، سب کو شامل ہے اور یہ ساری باتیں جمیع عقلاء بشر کے لئے لازم و ضروری ہیں کیونکہ اللہ کے خالق ہونے کی ان سے پوری معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اس تعریف کا بیان مقصود ہے جسکا وہ مستحق ہے، کیونکہ اللہ تعالی ہی اپنی جمیع مخلوق پر اپنی نعمتوں کو اولین بار نچھاور کرتا ہے، ہر چیز اپنی حاجت پوری کرنے میں اسی کی محتاج ہے، اور اپنی حاجت کے برابر اس کی ضرورتمند ، چنانچہ ان خصائل کی وجہ سے جنکو ہم بیان کر چکے ہیں اور جو بتائی جا چکی ہیں یہ ساری باتیں لذاتہا اللہ کے بندوں پر فرض ہیں، پھر یہ چیزیں نماز کے حق میں فرض نہیں ہیں، انکی مثال تسبیحات جیسی ہیں جن سے اللہ کے غیر اللہ سے پاک و بے نیاز رہنے کا ذکر ثابت ہے، اور تکبیرات ہیں جن سے اللہ کی عظمت ظاھر ہے، یہ سب لذاتہا فرض ہیں،

کیونکہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ اپنے

یوجب ذلك فرضیتها فی حق الصلاة و فی حق کل مجعوله‌ هی فیه لا من طریق یوضح الفرضیه‌ من غیر طریق النهی ذکرت ،

ثم لیست هی بفریضه‌ فی حق القراءة فی الصلاة لوجوه : احدها

ان فرضیه‌ القراءة عرفنا بقوله فاقرءوا ما تیسر من القرآن ، وفیها الدلاله‌ من وجهین : احدهما انه قد یکون غیرها ایسر والثانی ۱ ان فرضیه‌ القراءة فی هذه الایه‌ من حیث الامتنان بالتخفیف علینا ، ثم التیسیر ولو لم یکن فریضه‌ لم یکن علینا فی التخفیف منه‌ اذا بالترک ، ثم لا تخیر فی فاتحه‌ القرآن ، والایه‌ التی بها عرفنا الفرضیه‌ فیها تخیر ما یختار من الأیسر ، ثبت انها رجعت الی

۱ - المخطوطه : الیهانی

پروردگار کی تنزیہ نہ کرے اور اس کی عظمت بیان نہ کرے جبتک کہ ان کی فرضیت نماز کے حق میں ضروری نہ قرار دے۔ نیز ہر پیدا کردہ شی میں اس کی فرضیت کو نہی کے سوا جسکو میں ذکر کر چکا ہوں ، کسی اور طریقے سے واضح نہ کرے ،

نیز حق قراءت کے لحاظ سے نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قراءت چند وجوہ کی بنا پر فرض نہیں ، اولین وجہ یہ ہے کہ قراءت کی فرضیت کو ہم اللہ تعالی کے قول : فاقرءوا ما تیسر من القرآن : (قرآن سے جس قدر آیتوں کی قراءت آسان ہو پڑھو ،) سے سمجھتے ہیں ، اس آیت میں قراءت کے فرض ہونے کی طرف دو طرح سے رہنمائی ہوتی ہے : ایک یہ کہ دوسری آیتوں کی قراءت ممکن ہے کہ زیادہ سہل و آسان ہو ، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں قراءت کی فرضیت بطور امتنان اور احسان جتانے کے ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے لئے قرآن پاک سے بسہولت چند آیات کے پڑھنے کا حکم دیکر انسان پر بڑا فضل و احسان کیا ہے ، نیز اگر یہ سہولت و آسانی فرض نہ ہوتی تو آیتوں کے ترک کے ساتھ تخفیف کرنے میں ہم پر اللہ تعالی احسان نہ جتاتا ،

غیرها وبالله التوفیق ،

والثانی انه فی الله اجر عن الله ان جعل بما فی خلق الثناء و هو ما ذکر فی خبر القسمه‌ فصارت تقرأ بذلك الحق ، فلم یخلق لها حق القراءة ، بل الحق بما حق الدعاء والثبات و لیس ذلك من فرایض الصلاة ، و بالله التوفیق ،

والثالث ما روی عن عبد الله بن مسعود ان النبی صلی الله علیه وسلم احیی لیله‌ بقوله : ان تعذبهم ۱

۱ - مخطوطہ میں یہ آیت اس طرح مرقوم ہے جو غلط ہے : ’’ان تتب بهم فانه انهم ،، الخ - نیز یہ حدیث مشکاة المصابیح (مجتبائی - دهلی ص ۱۰۷) میں حضرت ابو ذر سے اس طرح روایت کی گئی ہے : قال قام رسول الله حتی الصباح بآیه‌ والایه‌ : ان تعذبهم فانهم عبادك (المائده ۱۱۸) -

نیز فاتحہ‌ القرآن میں ہمیں کوئی اختیار حاصل نہیں ، اور جس آیت سے ہمیں فرضیت کی معرفت حاصل ہوئی ہے وہ ان آیات کے بارے میں ہے جن کے بسہولت اختیار کرنے میں ہمیں اختیار عطا ہوا ہے ، تو یہ بات ثابت ہوئی کہ فرضیت سورۂ فاتحہ کے سوا آیات کی طرف راجع ہے - و باللہ التوفیق -

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت و امتثال امر میں اللہ ہی کی طرف سے اجر ملتا ہے ، یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے حمد و ثنا بیان کرنے میں اجر لازم قرار دیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہوا جس میں اللہ تعالی نے سورۂ فاتحہ کی آیات کی تقسیم کی ہے ، تو سورۂ فاتحہ کی قراءت اسی حق کی بنا پر لازم ہے ، اور اس کی قراءت حق قراءت کی بنا پر لازم نہیں ہے ، بلکہ حق بات یہ ہے کہ اس کی قراءت کا حق ہر ایک کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح ہر ایک کو دعا کرنے اور اپنے کو قایم رکھنے کا حق حاصل ہے ، جو فرائض صلاة میں سے نہیں ، و باللہ التوفیق -

فانهم عبادك الايه" . فيه كان يقوم وفيه كان' يركع وفيه يسجد وفيه يقعد ، فثبت" انه لاقراءة فى حق الله اذاً مع ما ايده الخبر الذى فيه : '' ان ارجع فصل فانك لم تصل الخ ،، قال له وقت التعليم اقرأ ما تيسر عليك ، فثبت ان الفروض ذلك .

و أيضا روى عن رسول الله صلى (ص٥) الله عليه وسلم انه قال : لا صلاة الابفاتحه" الكتاب ،

ثم روى عنه بيان محلها ان كل صلاة لم يقرأ فيه بفاتحه" الكتاب فهى خداج ، نقصان غير تمام ، والفاسد لا يوصف بالنقصان ، وانما الموصوف بمثله ما جاز مع النقصان ، وبالله التوفيق .

ثم [illegible] فاتحه" القرآن

١ . مخطوطه : [illegible]

تیسری وجه وه حدیث ہے جس کو حضرت عبدالله بن مسعود نے روایت کی ہے که نبی صلی الله علیه و سلم نے ایک پوری رات یه کہنے میں گذار دی '' إن تعذبهم فانهم عبادك ،، (اے الله اگر تو ان کو عذاب دینا چاهتا ہے تو یه سب تیرے هی بندے هیں) . یہی کہتے هوئے آپ قیام کرتے تھے ، یہی کہتے هوئے رکوع میں جاتے ، سجدے میں گرتے اور اسی حال میں بیٹھتے تھے . اس طرح اس حدیث سے ثابت ہے که حق الله میں قراءت نہیں ، مزید برآن اس کی تائید اس حدیث سے هوتی ہے جس میں یه الفاظ آئے هیں ، ،، لوٹ جاؤ اور نماز ادا کرو' که تم نے نماز نہیں پڑھی ، یه آپ نے نماز پڑھنے کی تعلیم دیتے وقت فرمایا ، تمہارے لئے جو آسان کچھ آیتیں هوں پڑھو ، بس یه بات ثابت ہے که فرض یہی امور هیں ،

رسول الله صلی الله علیه وسلم سے یه حدیث بھی مروی ہے (ص ٥) : آپ نے فرمایا : نماز مکمل نہیں هوتی مگر

بالتامين بما سمى بالذى ذكره خبر القسمة" ، وغير الفاتحه" و ان كان فيه الدعاء ، فانه لم يخص بهذا الاسم ، لذلك لم يجهربه ، فالسبيل فيه ما ذكرنا فى التسميه" مع ما كان هو اخلص بمعنى الدعاء منها .

ثم السنه" فى جميع الدعوات المخافته" ، والاصل ان كل ذكر يشترك فيه الامام و القوم فسنته المخافته" الا لحاجه" الاعلام و هذا يتلو قوله ''ولا الضالين ،، فيزول معناه ، وسبيل مثله المخافته" مع ما جاء فيه مرفوعا ومتوارثا ، و خبر الجهر يحتمل السبق كما كان يسمعهم فى صلاة النهار احيانا ، ويحتمل الاعلام انه كان يقرأ به وبالله التوفيق .

فاتحه" الکتاب سے ، پھر نماز کا مقام اور اس کی اهمیت بیان کرتے هوئے ، آپ نے فرمایا : جس نماز میں فاتحه" الکتاب کی قراءت نہیں کی گئی وه ناقص اور ناتمام ہے ، (یعنی اس میں کمی ره گئی) فاسد کی صفت نقصان کے ساتھ نہیں کی جاتی ہے ، جس کی صفت نقصان هو اس کا مطلب صرف یہی ہے که یه فعل جائز ہے البته اس میں کمی ره گئی ، وبالله التوفیق . ـ

پھر الله تعالی نے فاتحه" القرآن کے ساتھ آمین کہنے کو خاص کیا ہے ، (مطلب یه ہے که اے الله) قبول کرلے ان ساری باتوں کو جن کا نام بنام ذکر تقسیم والی حدیث میں آیا ہے . سوره فاتحه کے سوا میں بھی دعا مذکور ہے . مگر دوسری سورتوں میں اسی تشخص . مذکور نہیں اس لئے آمین زور سے نہیں کہا جاتا ، اور اس ترجیح کی وجه وهی باتیں هیں جن کا ذکر تسمیه میں هو چکا ، نیز یه سورت دوسری سورتوں سے زیاده دعا کے معنی میں خاص و خالص ہے .

ثم جمعت هذه خصالا من الخير، ثم كل خصلة منها تجمع جميع خصال الخير منها۔ ان فى الحرف الاول من قوله ''الحمد لله رب العالمين،، شكراً لجميع النعم وتوجيها لها الى الله لاشريك له ومدحا له باعلى ما يحتمل المدح وهو ما ذكرنا من عموم نعمه و الائه جميع بريته۔ ثم فيه الاقرار بوحدانيته فى انشاء البرية كلها ، وتحقيق الربوبية له عليها بقوله ''رب العالمين،، ، وكل واحد منهما يجمع خصال خير الدارين و يوجب القائل به عن صدق القلب درك الدارين۔

ثم الوصف لله عز و جل بالاسمين يتعالى عن ان يكون لاحد معناهما حقيقة ، او يجوز ان يكون منه لاستحقاق بحق

علاوہ ازیں ساری دعاؤں میں سرگوشی سنت ہے، اصل یہ ہے کہ جس ذکر میں امام اور قوم شامل ہوں اس میں سرگوشی مسنون ہے، البتہ اعلان کی ضرورت ہو تو باآواز بلند کہنا جائز ہے ، سورہ فاتحہ میں ''ولا الضالین،، کے بعد آمین کا مقام ہے، تو اعلان کا مفہوم بے معنی ہے، پس ایسی جگہ سرگوشی ہی طریقہ سنت ہے، پھر اس بارے میں مرفوع روایتیں ہیں اور صحابہ کرام سے برابر اسی پر عمل ہوتا رہا ہے، البتہ باآواز بلند آمین کہنے کی خبر ممکن ہے ابتداء عہد میں ثابت ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن کی نماز میں مقتدیوں کو احیانا سناتے ہوں، اور اس بات کا احتمال بھی ہے کہ باآواز بلند آمین کہنے سے یہ مقصود ہو کہ سب کو خبر ہوجائے کہ یہ کہنا چاہئے ، وباللہ التوفیق۔

نیز سورہ فاتحہ چند در چند خیر و برکات کی جامع ہے، اور ہر خیر و برکت اپنے اندر سارے خیر وسعادات کو سموئے ہوئے ہے۔ حرف اول یہ کہ اللہ تعالی کا قول '' الحمدللہ رب العالمین،، ساری نعمتوں کے لئے شکریہ ہے، نیز اللہ ہی کو ان ساری نعمتوں کا منبع بیان کرتا ہے، اس طرح کہ اس کا

لله والرحمن۔

ثم الوصف له بالرحمة التى هى نجاة كل ناج و سعادة كل سعيد و بها يتقى المهالك كلها مع ما من رحمته خلق الرحمة التى بها تعاطف بينهم و تراحمهم۔

ثم الايمان بالقيامة بقوله تعالى مالك يوم الدين مع الوصف له بالمجد وحسن الثناء عليه۔

ثم التوحيد وما يلزم العباد من اخلاص العبادة له والصدق فيها مع جعل كل رفعة و شرف منالا به عز وجل۔

ثم رفع جميع الحوايج اليه والاستعانة به على قضائها والظفر بها على طمانينة القلب وسكونه ان لاخيبة عند معونته ولا زيغ عند عصمته۔

ثم الاستهداء الى ما يرضيه

کوئی شریک نہیں اور سارے بزرگ ترین محامد کا سزاوار ہے، اور وہ مدح وحمد کا مستحق اس لئے ہے کہ اس کی ساری نعمتیں اور بخششیں اس کی ساری مخلوق کے لئے عام ہیں، پھر اس میں اس بات کا اقرار بھی ہے کہ اللہ ایک اور یکتا ہے اپنی ساری مخلوقات کے اولین بار پیدا کرنے میں، پھر رب العالمین اس بات کی تثبیت ہے کہ سارے عالم و مخلوقات کا پالنے والا وہی ہے، اور وہی رب و پالنہار ہے،نیز الحمدللہ اور رب العالمین ہر دو میں دونوں جہان کی ساری خیروبرکتیں جمع ہیں، اور ہر دو کلمات صدق دل سے کہنے والے کو مجبور کرتے ہیں کہ دونوں جہان کی سعادتوں کو حاصل کریں۔

نیز اللہ تعالی کا وصف رحمن ورحیم کے ساتھ بیان کرنا اس بات سے ارفع واعلی ہے کہ ان دونوں اسماء کا معنے کسی اور کو حقیقت میں میسر ہوجائے ، نہ یہ جائز ہے کہ کوئی اللہ اور رحمن کے حق کے مستحق ہونے کی آرزو کرسکے۔

نیز اس سورت کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت ایسی صفت ہے کہ ہر نجات پانے والے کے لئے نجات اور ہر نیک بخت

والعصمة" عما يغويه فى حادث الوقت على العلم بأنه لا ضلال لأحد مع هدايته فى التحقيق ، ولو جاءه الخوف من الله لأمن غيره ، وعلى ذلك جميع معاملات العباد ومكاسبهم على الرجاء من الله تعالى ان يكون جعل ذلك سببا به يصل الى مقصوده ويظفر بمراده ، ولا قوة الا بالله ۔

قوله واياك نستعين، فذلك طلب المعونة" من الله على قضاء جميع حوايجه ديناً و دنيا، و يحتمل ان يكون هو على اثر الفزع الى الله بقوله اياك نعبد على طلب التوفيق لما امر به والعصمة" عما حذره عنه ۔

کے لئے سعادت ہے ۔ اور اسی کے ذریعہ سارے اسباب ھلاکت و بربادی سے بچتا ہے ، ساتھ ہی اللہ تعالی کی وہ رحمت ہے جس کی وجہ سے اس نے اس رحمت کو پیدا کیا جس سے لوگوں کے آپس میں ہمدردی ، غمخواری اور رحم و کرم کا وجود ہے۔

اس سورت کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ قیامت پر ایمان و عقیدے کا ثبوت اللہ تعالی کے قول "مالک یوم الدین (اللہ تعالی جزاء کے دن کا مالک ہے) سے راسخ ہوتا ہے، ساتھ ہی اللہ تعالی کی عظمت و شان اور اس کی مدح و ستایش کا بیان ہے۔

پھر یہ بھی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالی کی توحید کا اس میں بیان ہے، اور بندوں کے لئے اخلاص عمل اور اللہ کی خالص عبادت کو لازم و ضروری قرار دیا گیا ہے، عبادت میں خالص و صادق ہونے کے ساتھ سارے جاہ جلال ، اور رفعت شان و شرافت اللہ بزرگ و برتر کی بخشش وعطا ہیں۔

پھر اس بات کا بیان ہے کہ ساری حاجتیں اللہ تعالی سے چاہی جائیں ، اسی سے اعانت طلب کریں کہ وہ ساری حاجتوں کو پوری کرتا ہے، اور حاجت روائی کےساتھ قلب کو اطمینان و سکون بخشتا ہے ، اللہ کی اعانت

و كذلك الامر البين فى الخلق من طلب التوفيق والمعونة" من الله والعصمة" عن المنهى عنه ، جرت به سنة" الاخبار و الله الموفق ۔

ثم لا يصلح هذا على قول المعتزلة" لان تلك المعونة" على اداء ما كلف قد اعطى اذ هو على قولهم لايجوز ان يكون مكلفا قد بين شئى بما فيه اداء كل مكلف عند الله ، وطلب ما اعطى كتمان العطية"، وكتمان العطية" كفران فيصير كان الله امر ان يكفر نعمه ويكتمها ويطلبها منه تمنياً وظن مثله بالله كفر، ثم لايخلو من

حاصل ہو تو نقصان و خسران نہیں، اور اللہ بچانے والا ہو تو ضلالت و گمراہی نہیں۔

نیز اللہ ہی سے ان امور کی طرف ہدایت و رہنمائی چاہیں جن سے وہ راضی رہتا ہے اور اللہ ان چیزوں سے محفوظ رکھے جو وقت کے تجدد سے گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں ، کہ ہمیں یقین ہے کہ درحقیقت اللہ کی رہنمائی کے ساتھ کسی شخص کے لئے گمراہی نہیں، اور اللہ ہی کی طرف سے اسے خوف آگھیرتا ہے ، کسی دوسرے کی جانب سے نہیں، اسی طرح بندوں کے سارے معاملات اور ان کے اسباب کسب اس امید پر موقوف ہیں کہ اللہ تعالی ان کے لئے ایسے اسباب فراہم کردے کہ بندہ اپنے مقصود کو پالے اور اپنی مراد پانے میں کامیاب ہوجائے ۔ اور اس کامیابی کی قوت اللہ تعالی ہی کی عطا کردہ ہے۔

آیت پاک وایاک نستعین کا مفہوم یہ ہے کہ دین و دنیا کی ساری حاجتوں کو پوری کرنے کی درخواست اللہ تعالی ہی سے کرنی چاہئے ، اور اسی سے اعانت طلب کی جائے ۔ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ "ایاک نعبد" کہنے کے بعد اللہ تعالی کے آگے جزع و فزع کرنے کے اثر کے طور پر ان باتوں کے کرنے

ان یکون عند اللہ ما یطلب فلم
یعطہ التمام اذاً ، او لیس عندہ
فھو ھازیٌ بہ فی العرف مع ما
کان الذی یطلب اما ان یکون للہ
ان لا یعطیہ مع التکلف ، فیبطل
قولھم اذ لا یجوز ان یکلف
وعندہ ما بہ الصلاح فی الدین ،
فلا یعطی او لیس لہ ان لا یعطی
فکأنہ قال : اللھم لاتجز ، ومن
ھذا علمہ بربہ ، فالاسلام اولی بہ ،
و ھذا مع ما کان لا یدعو اللہ
احد بالمعونۃ الا ویطمئن قلبہ ،
انہ لا یذل عند المعونۃ ولا
یزیغ عند (ص۶) العصمۃ ، ولیس
مثلہ یملک اللہ عند المعتزلۃ ،
ولاقوۃ الا باللہ ۔

کی توفیق اللہ تعالی سے چاہیں جن کے کرنے
کا حکم اس نے دیا ہے اور ان امور سے بچے
ہوئے رہنے کی درخواست کریں جن سے بچنے
کی اللہ تعالی نے تنبیہ کی ہے۔

اسی طرح مخلوق کے حق میں یہ کھلی
بات ہے کہ توفیق واعانت اللہ تعالی سے
چاہیں، اور منع کی ہوئی چیزوں سے محفوظ
رکھنے کی التجا بھی اسی سے کریں کہ
اخبار و احادیث کی سنت اسی طرح جاری ہے،
اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

البتہ اہل اعتزال کے عقیدے کے مطابق
یہ درست نہیں، کیونکہ جس چیز کے لئے
اللہ تعالی نے انسان کو مکلف بنایا ہے، اس
کی ادائیگی کے لئے امدادی قوت انسان کو
دی جاچکی ہے، غرض معتزلہ کے مذہب کے
مطابق یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالی کسی
کو مکلف بنائے، کیونکہ یہ بیان کیا
جاچکا کہ جس چیز سے ہر مکلف اپنی تکلیف
کو ادا کر سکتا ہے اللہ تعالی کے پاس ہے،
اور دی ہوئی چیز کو مانگنا بخشش وعطیہ
کو چھپانا ہے، اور عطیۂ الہی کو چھپانا
کفران (نعمت) ہے، تو گویا تکلیف دے
کر اللہ تعالی اس بات کا انسان کو حکم
دیتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا انکار کرے
اور ان کو چھپائے ، اور بطور آرزو ان کو

وقد روی عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انہ قال فی خبر القسمۃ
اللہ یقول : ھذا بینی وبین عبدی
نصفین ، وذلک یحتمل ان یکون
کل حرف من ذلک بما فیھا جمیعا
و الفزع الی اللہ بالعبادۃ و
الاستعانۃ و رفع الحاجۃ الیہ ،
و الجھار عناہ جل و علا عنہ
فیتضمن ذلک الثناء علیہ وطلب
الحاجۃ الیہ، و یحتمل ان یکون
الحرف الاول للہ بما فیہ عبادتہ
وتوحیدہ ۔

والثانی للعبد مما فیہ طلب
معونتہ وقضاء حاجتہ ویؤید ذلک
بقیۃ السورۃ انہ اخرج علی الدعاء
فقال اللہ عزوجل ھذا لعبدی
ولعبدی ما سال ۔

اللہ تعالی سے طلب کرے، اللہ تعالی کے
ساتھ ایسی بدگمانی کفر ہے، نیز اس امر سے
خالی نہیں کہ یا تو اللہ تعالی کے پاس ساری
مطلوب چیزیں ہیں جن کو وہ پوری طرح
نہیں دیتا ، یا اس کے پاس ساری اشیا نہیں،
دوسری تقدیر پر لازم آتا ہے کہ عام طور پر
گویا اللہ ٹھٹھا کرتا ہے ، ساتھ ہی یہ واضح
ہے کہ شئی مطلوب اللہ کے پاس ہے مگر
تکلیف دینے کے باوجود نہیں دیتا ہے، تو
ان کا قول باطل ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ
تکلیف دے اور ساتھ ہی اس کے پاس ایسی اشیاء
ہوں جن سے دین کی اصلاح ہو سکتی ہے۔
مگر وہ عطا نہیں کرتا ، یا اس کے لئے دینا
جائز نہیں ،گویا کہ اس نے یہ کہا کہ اے
اللہ عزوجل تو جزا نہ دے ، جس کو اللہ
تعالی کا علم صرف اتنا ہی ہو تو اسلام اس
کے لئے بہتر ہے، ساتھ ہی یہ حقیقت ہے
کہ جب بھی کوئی شخص اللہ تعالی سے
اعانت طلب کرتا ہے، اس کا قلب ضرور
مطمئن ہوتا ہے۔ اعانت طلب کرتے وقت
اللہ تعالی کسی کو ذلیل نہیں کرتا ، اور
نہ برائیوں سے بچنے میں گمراہ کرتا ہے،
معتزلہ کے قول کے مطابق اللہ تعالی کے ملک
میں ایسی کوئی چیز نہیں اور نہ کسی میں

وقوله اهدنا : قال ابن عباس ارشدنا ، و الارشاد والهدایه واحد ، بل الهدایه فی حق التوفیق اقرب الی فهم الخلق من الارشاد بما هی اعم فی تعارفهم ۔

ثم القول بالهدایه یخرج علی وجوه ثلاثه :

احدها البیان ، ومعلوم ان البیان قد تقدم من الله لا احد یرید به ذلک لمضی مافیه البیان من کتاب وسنه ، والی هذا تذهب المعتزله ۔

و فی الثانی التوفیق له والعصمه عن زیغه و ذلک معنی قولهم اللهم اهدنا فیمن هدیت ۔

وقوله اهدنا الصراط ، صراط الذین وصفهم الی آخر السورة ، ولو کان علی البیان علی ما قالت

اللہ کے بغیر کوئی قوت و سکت ہے ۔

تقسیم والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، فرمایا : اللہ تعالی کہتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نصف نصف ہے ۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ہر حرف اپنے سارے برکات کو سموئے ہے، اور اللہ تعالی سے عبادت واستعانت نیز اس سے حاجت روائی کی درخواست کرتے وقت خشوع وخضوع ہو، اور ان کے زور سے پڑھنے کو اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس میں ثناء الہی ہے ، اور اللہ ہی سے حاجت روائی کی درخواست ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اولین حرف اللہ تعالی سے متعلق ہو، کیونکہ اس میں اس کی عبادت وتوحید کا ذکر ہے۔

دوسرا جملہ بندے کے لئے ہے جس میں اللہ سے اعانت کی طلب اور اپنی حاجتوں کی ادائیگی کی درخواست ہے، سورہ ھذا کا بقیہ حصہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ سورہ بطور دعا نازل کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: یہ میرے بندے کے لئے ہے، اور میرے بندے کے لئے ہر وہ چیز ہے جس کا وہ سوال کرتا ہے۔

المعتزله فهو والمغضوب علیهم فی ذلک سواء ، ثبت انه عاما قلنا دون ماذهبوا الیه ۔

والثالث ان یکون علی طلب خلق الهدایه لنا اذ نسب الیه من جهه الفعل ، و کل ما یفعل خلق ، کانه قال اخلق لنا هدایتنا وهو الاهتداء منا وبالله التوفیق ۔

ثم تاویل طلب الهدایه ممن قد هداه الله یتوجه وجهین :

احدهما طلب الثبات علی ما هداه الله ، وعلی هذا معنی زیادات الایمان انها بمعنی الثبات علیه وذلک کرجلین ینظران الی شئی فیرفع احدهما بصره عنه جائز القول بازدیاد منظر الآخر ۔

و وجه آخر علی ان فی کل حال یخاف علی المرء ضد الهدی

اھدنا کا مفہوم حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق ، ''ارشدنا،، ہے، ارشاد اور ھدایت ایک ھی معنے میں مستعمل ھیں (یعنی سیدھی راہ دکھا ھمکو) بلکہ ھدایت توفیق کے معاملے میں لوگوں کی سمجھ سے ارشاد کی نسبت زیادہ قریب ہے ، اس لئے کہ ھدایت لوگوں کے علم میں زیادہ عام ہے۔

نیز ھدایت کا استعمال تین معانی کے لئے ھوتا ہے:

۱ ۔ ھدایت بیان کے معنی میں، یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے پیشتر ھی بیان فرما دیا ہے جس کا کوئی انسان ارادہ نہیں کر سکتا کہ کتاب و سنت کا بیان قبل گزر چکا، یہی مفہوم معتزلہ کا اختیار کردہ ہے۔

۲ ۔ دوسرا مفہوم اللہ تعالی کی توفیق ہے کہ اپنے سے دور ھونے سے ھمیں بچائے یہی مقصد ہے لوگوں کے کہنے کا کہ اے اللہ ھمیں توفیق دے کہ تیری ھدایت پر رھیں، اللہ تعالی کے قول، اھدنا الصراط ، کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ان کے راستے پر اللہ تعالی ھمیں چلائے جن کا وصف آخر سورہ تک مذکور ہے ، معتزلہ کی رائے بیان کے معنے میں ہے ورنہ دونوں (انعام پانے والے اور مغضوب علیھم) برابر ھو جائینگے ، تو

فیهدیه مکانه ابداً فیکون له حکم الاهتداء اذ فی کل وقت ایمان منه دفع به ضده ، وعلی ذلك قوله " یاایها الذین آمنوا آمنوا بالله الآیه" ، ونحو ذلك من الآیات -

وقد یحتمل ایضا معنی الزیادة هذا النوع ، وبالله التوفیق -

واما الصراط فهو الطریق والسبیل فی جمیع التاویل ، وهو قوله : وان هذا صراطی الایه" ، وقوله قل هذه سبیلی ، ثم اختلفوا فی ماهیته ، فقال بعضهم هو المراد ، وقال بعضهم هو الایمان - و ایهما کان فهو القایم الذی

ثابت ہوا کہ ہم نے عام معنے میں کہا ہے اس معنے میں نہیں جو معتزلہ کی رائے ہے۔

۳ - تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی سے درخواست کی جائے کہ ہمارے لئے ہدایت پیدا کرے، کیونکہ فعل کے لحاظ سے ہدایت دینا اللہ کی طرف منسوب ہے اور جو اللہ کرتا ہے وہ پیدا کردہ ہے، گویا سورۂ فاتحہ پڑھنے والا کہتا ہے اے اللہ ہمارے لئے ہماری ہدایت پیدا کر، یہی ہماری طرف سے ہدایت پانا ہے، اور اللہ سے توفیق ہوتی ہے۔

نیز طلب ہدایت کی تاویل ہدایت یافتہ لوگوں کے نزدیک دو طرح کی جاتی ہے۔

۱ - اول اللہ تعالی کی بخشی ہوئی ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی درخواست ہے جس کے لحاظ سے ایمان میں زیادتی کا مفہوم واضح ہوتا ہے، کہ ایمان پر قائم رہنا ایمان پر مستزاد ہے، جیسے دو مرد ایک چیز کو دیکھتے ہیں، پھر ایک مرد اپنی نظر اس سے پھیر لیتا ہے اور دوسرا دیکھتا رہتا ہے تو یہ کہنا صحیح ہے کہ دوسرے کو زیادہ منظر حاصل ہے۔

لا عوج له والقیم الذی لاخلاف فیه ، من لزمه وصل الی ما ذکر وبالله التوفیق ، -

وقوله : المستقیم ، قیل هو القایم بمعنی الثابت بالبراهین والأدلة لا یزیله شئی ولا ینقض حججه کید الکایدین ولا جهل المریبین- وقیل المستقیم الذی یستقیم بمن یمسك به حتی ینجیه ویدخله الجنة" -

و قیل المستقیم بمعنی "یستقام به" ، کقوله : و النهار مبصرا ، ای یبصر به - یدل علیه " ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا " ، الآیه" - فالمستقیم هو المتبع له وبالله التوفیق-

دوسری تاویل یہ ہے کہ ہر حال میں یہ خوف ہے کہ انسان پر مبادا ہدایت کی ضد طاری ہوجائے ، پس جسے اللہ تعالی ہمیشہ ہدایت سے نوازتا ہے، تو اس کے لئے ہدایت پانے کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ ہر وقت کا ایمان ہدایت کی ضد کو دافع ہے، اسی طرح اللہ تعالی کے اس قول کا مفہوم ہے کہ "اے ایمان والو ! اللہ پر ایمان لاؤ"، اور اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں -

کبھی زیادتی کے معنی کا احتمال بھی ایسی جگہ بصراحت مفہوم ہوتا ہے، اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

بہرکیف صراط کا مفہوم ساری تاویل میں راستہ اورسبیل ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا قول ہے "بیشک یہ میرا راستہ ہے"، الآیہ" اور یہ قول "آپ فرما دیجیے، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہی میرا طریقہ ہے"،

البتہ طریق و سبیل کی ماہیت میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اس سے مراد راستہ ہی ہے، اور بعض کے نزدیک اسکا مفہوم ایمان ہے، جو معنے بھی ہو اس کا مفہوم یہی ہے کہ یہ راستہ ایسا سیدھا ہے جس میں کوئی کجی نہیں ، اور ایسا متعین راستہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ، جو بالالتزام اس طریق پر رہا منزل مذکور تک پہنچا ، - اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے -

ثم ذكر من ذكر من المنعم عليهم وهو على كل مؤمن نعم بالهداية"، وما ذكر دليل على ان الصراط هو الدين، لانه انعم به على جميع المؤمنين، لكن تاويل من يرد الى الخصوص يتوجه وجهين:

احدهما انه انعم عليهم بمعرفة" الكتب والبراهين، فيكون على التاويل الثانى من القرآن والادلة"، والثانى ان يكون لهم خصوص فى الدين قدموا على جميع المؤمنين، كقول داؤد و سليمان الحمد لله الذى فضلنا على كثير من عباده المؤمنين، وعلى هذا الوجه يكون "اهدنا"۔

مستقیم کا مفہوم بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ راستہ براہین وادلہ سے قایم وثابت ہے، کوئی چیز اسے زائل نہیں کر سکتی اور کسی مکار کی مکاری اور شک کرنے والے کی جہالت اس کی حجتوں کو توڑ نہیں سکتی۔

بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مستقیم وہ راستہ ہے جو اپنے چلنے والوں کو سیدھا رکھتا ہے یہاں تک کہ انہیں نجات حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

بعض دوسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ مستقیم اس کو کہتے ہیں جس سے استقامت حاصل ہو' جیسے اللہ تعالی کا قول "والنھار مبصرا"، ہے' یعنی دن جس سے بصارت حاصل ہوتی ہے، دلیل میں ایک دوسری آیت پاک ہے، "بیشک جن لوگوں کا قول ہے ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ لوگ اس پر قائم رہے، الایہ"، تو مستقیم اللہ کے متبع اور فرمانبردار ہوئے۔ اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازاں اللہ تعالی نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہیں اپنی نعمتوں سے نوازا، اور اللہ تعالی کی ہدایت کی نعمتیں ہر ایماندار کے لئے ہیں، اور جو کچھ مذکور ہوا اس بات پر دال ہے کہ صراط دین ہی ہے، جس کی نعمت کے ساتھ اللہ تعالی نے سارے ایمان

و وجه آخر وهو المخصوص الذى خص فيه كثيرا من المؤمنين من بين غيرهم، لكن الاستثناء[1] يدله على صرف الارادة الى جملة" المؤمنين اذ انصرف الى غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

وقوله انعمت عليهم على قول المعتزلة" (ص ٧) ليس لله على احد من المؤمنين نعمة" ليست على المغضوب عليهم ولا الضالين، اذلانعمة" من الله على احد الا الاصلح فى الدين والبيان للسبيل المرضى، وتلك قد كانت على جميع الكفرة فيبطل على قولهم الاستثناء، والله الموفق۔

١ المخطوطة" بالثناء، فى الموضعين

والوں کو (اپنے انعام واکرام سے) سر بلند بنایا، لیکن جنہیں خصوصیت حاصل ہوئی ان کی تاویل دو طرح کی جاتی ہے:

اول یہ کہ لوگوں کو اللہ تعالی نے آسمانی کتابوں اور ادلہ وبراہین کی نعمتیں عطا کیں، تو بتاویل ثانی قرآن وادلہ (اہل اسلام کے لئے نعمتیں شمار ہوئیں)۔

ثانی یہ کہ ان لوگوں کو دین میں خصوصیت حاصل تھی کہ سارے ایمان والوں کے پیش رو بنائے گئے، چنانچہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے فرمایا: "ساری ستایش اللہ ہی کو سزا وار ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی"، اسی وجہ کی بنا پر دعا ہے کہ "اے اللہ ہمیں ہدایت دے"۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ نعمت ایسی خصوصیت ہے جس کے ساتھ بہت سے ایمانداروں کو غیر ایمانداروں میں سے اللہ تعالی نے خاص کیا، لیکن استثناء اس بات پر دال ہے کہ نعمت کا ارادہ سارے ایمان والوں کو حاوی ہے، کہ اسے سارے ان لوگوں کی طرف پھیر دیا جن پر اللہ کا غضب نہ ہوا اور جو گمراہ نہ تھے۔

انعمت علیہم، (وہ لوگ جنہیں اللہ تعالی نے نعمت بخشی) کی تفسیر میں معتزلہ کے قول کے مطابق اللہ تعالی نے کسی ایمان

ثم اختلف فی المغضوب علیهم ولا الضالین، منهم من قال هو واحد اذ کل ضال قد استحق الغضب علیه وکل مغضوب علیه استحق الوصف بالضلال۔

ومنهم من قال المغضوب علیهم هم الیهود وانما خصوا بهذا بما کان منهم من فضل تمرد عتو لم یکن ذلك من النصاری، بکر انکارهم بعیسی وتصدهم قتنه مما لم یکن ذلك من النصاری۔

ثم قولهم فی الله ''ید الله مغلولة،، الآیة (مائده : ۶۰۴) وقوله[1] ''لقد سمع الله قول الذین قالوا ان الله فقیر،، الآیة (آلعمران: ۱۸۱) وقوله[1] ''لتجدن

۱ فی المخطوطه: 'قولهم'، فی الموضعین،

والے کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں کی جس کو اس نے گمراہوں اور ان لوگوں کو جن پر اللہ غضبناک ہوا نہ دی ہو کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی کو کوئی نعمت نہیں مل سکتی، کہ اللہ پر فرض ہے کہ ہر ایک کو دین کے بارے میں سب سے زیادہ صلاح رکھنے والے اسور کو عطا کرے اور اپنے پسندیدہ راستے کو بیان کر دے، چنانچہ اللہ تعالی کی یہ بخششیں سارے کافروں کو بھی میسر ہیں، تو معتزلہ کے قول کے مطابق استثناء باطل ہے، اور (صلاح و ہدایت کی) توفیق اللہ تعالی ہی دیتا ہے۔

نیز ''مغضوب عیہم ولا الضالین،، کی تفسیر میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہیں، کیونکہ ہر گمراہ گمراہی کی وجہ سے اللہ کے غضب کا مستحق ہے، اور ہر مغضوب علیہ، ضلال کی صفت کا مستحق ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مغضوب علیہم، یہود ہیں، اس صفت کے ساتھ اس لئے مخصوص کئے گئے کہ انہوں نے نافرمانی اور سرکشی میں اپنی مثال قائم کر دی، نصاری اتنے زیادہ تمرد و سرکشی کے مرتکب نہیں ہوئے، چنانچہ یہود عیسی علیہ السلام کے انکار پر مصر رہے، اور بار ہا عیسی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا، نصاری کا یہ حال نہیں تھا۔

أشد الناس عداوة للذین آمنوا الیهود،، (مائده : ۱۸۲) وکفرهم رسول الله بعد استقباحهم و شدة تعنتهم وظهور النفاق، فاستحقوا بذلك اسم الغضب علیهم وإن کانوا شرکاء غیرهم فی اسم الضلال، و بالله التوفیق۔

وفی هذا وجه آخر ان یحمل الذنوب علی وجهین:

منها مایوجب الغضب وهو الکفر۔

ومنها مایوجب اسم الضلال وهو ما دونه۔ کقوله[1] ''قال فعلتها اذا وانا من الضالین،،

۱ المخطوطه: '' موسی فعلها اذا،،۔ سورة الشعراء : ۲۰

نیز اللہ کے بارے میں ان یہودیوں کا یہ قول کہ '' اللہ کا ہاتھ تنگ ہے،، الآیہ، اسی طرح اللہ تعالی کا یہ قول، '' البتہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے،، الآیہ اور نیز اس کا قول، '' البتہ آپ ضرور یہود کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ سخت دشمن ایمان والوں کا پائینگے،،۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا سمجھنے، سخت نافرمانی کرنے اور نفاق ظاہر کرنے کے بعد کافر قرار دیا، چنانچہ اسی لئے اللہ کے غضب کے مستحق اور گناہ گار ٹھہرے، اگرچہ گمراہی میں اپنے علاوہ دوسروں کے شریک کار بنے۔ اللہ تعالی ہی سے توفیق ملتی ہے۔

علاوہ ازیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہوں کے بوجھ دو طرح اٹھائے جاتے ہیں۔ گناہوں کی ایک قسم وہ ہے جو اللہ کے غضب کو مستوجب ہے اور وہ کفر ہے۔

دوسرا گناہ اس سے کم تر ہے اور صرف گمراہی کے نام کو مستوجب ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا قول ہے: تب موسی نے فرمایا کہ اس کو میں نے کیا ہے اور میں ضالین میں سے ہوں،،۔ اگرچہ اس سورہ میں وارد ہوا ہے کہ اصل نعمت کی طرف رہنمائی کی تمنا کریں اور ہر گمراہی نیز ان ساری باتوں سے، جن سے اللہ تعالی کے غضب و نا خوشی

و ان ورد فيه الهداية" لاصلها من نعمة" والتعوذ به من كل ضلال و من جميع ما يوجب مقته وغضبه و بالله النجاة والخلاص ، مع مافى خبر القسمة" وعد جليل من رب العالمين فى اجابة" العبد مما يدفع اليه من الحوائج اذا قال قسمت الصلاة بينى و بين عبدى نصفين ۔

ثم صير آخر السورة لعبده وليس فى متلوها سوى اظهار الفقر ورفع الحاجة" وطلب المعونة" و الاستهداء الى ما ذكر مع التعوذ عما ذكر ، وليس ذلك مما يوصف به العبد انه له ، فثبت ان له فى ذلك اجابة" ربه فيما امره به ، و وعد ذلك وهو لا يخلف وعده ، فانى يحتمل ذلك بعد امره العبد بالذى تضمنه اول السورة ، فقام

میں اضافہ ہو ، اللہ تعالی سے پناہ چاہیں ، اور اللہ تعالی ہی کی توفیق سے نجات ملتی ہے اور آفات سے خلاصی ، مزید برآن تقسیم والی حدیث میں اللہ رب العالمین کا عظیم وعدہ موجود ہے کہ وہ بندے کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصف نصف بانٹ دیا ہے۔

نیز اللہ تعالی نے اس سورہ کے آخری ٹکڑے کو اپنے بندے کے لئے خاص کر دیا ہے حالانکہ اس کی تلاوت میں فقر کے اظہار، رفع حاجت ، طلب معونت ، طلب ہدایت کے ساتھ بعض مذکور اشیاء سے اللہ کی پناہ ڈھونڈنے کے سوا کچھ نہیں ہے، نہ اس میں اس بات کا بیان ہے کہ بندہ کے اوصاف اسی کے لئے ہیں، ہاں ، البتہ اس بات کا ضرور ثبوت موجود ہے کہ بندہ ان ساری باتوں میں جن کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہے، اللہ تعالی کا مطیع و فرمانبردار ہے، اور اللہ تعالی نے بندے کی دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالی اپنے وعدے کے خلاف کچھ نہیں کرتا ، پھر خلاف کا احتمال کیونکر ہو جب اللہ تعالی اپنے بندے کو ان باتوں کا

به العبد مع لومه و جفائه ، و الله بكرمه و جوده لايتنجز له ما وعد ، لا يكون هذا البتة" ، وقد قال : ادعونى استجب لكم ، وغير ذلك مما فيه الانجاز ، وانه لا يخلف الميعاد ۔

ثم قد جعل بما جاء من الحديث فى تلاوة ان قدمه على التوربة" والانجيل . و عدله بثلثى القرآن ، وجعله شفاء من انواع الادواء للدين و النفس و الدنيا وجعله معاذا من كل ضلال و ملجأ الى كل نعمة" و بالله نستعين مع ما اوضح فى الاسماء التى لقب بها فاتحة" القرآن ، عظيم موقعه وجليل قدره و هداه ، سماه فاتحة" القرآن بما به يفتتح القرآن ،

وكذلك روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان يفتتح القراءة به ، وسمى فاتحة" الكتاب

حکم دے چکا جن کا ذکر شروع سورہ میں ہے، اور جن کو بندہ باوجود ملامت و جفا کے ادا کر چکا ، تو اللہ تعالی اپنے کرم اور جود کے باوجود اپنا وعدہ پورا نہ کرے، یہ ہر گز نہیں ہوسکتا ۔ پھر خود اللہ تعالی کا فرمان ہے: ”مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعائیں قبول کرونگا،“ اور اسی طرح وہ آیات ہیں جن میں ایفاء وعدہ کا ذکر ہے، نیز وہ فرماتا ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔

مع ہذا ایک حدیث کے مضمون کے مطابق جس کا تعلق تلاوت سے ہے، اللہ تعالی نے اس سورہ کو توریت و انجیل پر مقدم رکھا ہے، اور اس کی تلاوت کو قرآن پاک کے دوتہائیوں کی تلاوت کے برابر قرار دیا ہے، نیز دین ، نفس اور دنیا کے مختلف نوعیت کے امراض کے لئے شفاء ، ہر گمراہی سے بچنے کا ذریعہ اور ہر نعمت تک پہنچنے کا طریقہ بنایا ہے، اور اللہ تعالی ہی سے ہم اعانت و مدد چاہتے ہیں ، یہ اس پر مستزاد ہے جس کی وضاحت اللہ تعالی نے ان ناموں سے کر دی ہے جن کے ساتھ سورۃ فاتحہ" القرآن مشہور و معروف ہے، جس کا درجہ عظیم ، جس کا رتبہ بڑا اور جس کی ہدایت بے مثال ہے۔

اللہ تعالی نے اس سورہ کا نام فاتحہ" القرآن رکھا کہ اسی سورہ سے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی جاتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی قرامت کی ابتدا

بما به يفتتح كتابة" المصاحف والقرآن۔

وسمى ام القرآن لما يؤم غيره فى القراءة، وقيل الأم بمعنى الاصل، و هو ان لا يحتمل شئ مما فيه النسخ ولا الرفع فصار اصلا۔

وسمى المثانى لما يثنى فى الركعات ولاقوة الا بالله۔

و فى قوله اهدنا الى آخره وجهان سوى ما ذكرنا، اذ قوله اهدنا الصراط المستقيم دعاء كاف عما تضمن الى آخر السورة اذليس فيها غير تفسير هذه الجملة":

احدهما تذكير نعم الله على الذين يقبلون دينه فى قلوبهم، و التوفيق لهم بذلك و افضاله عليهم بما ليس لهم عليه،

والثانى تعوذهم عن كل زيغ ومقت و ذنب، والتجاءهم اليه فى ذلك بقوله غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

انتهى تفسير الفاتحة"

اسی سے کرتے تھے۔ اس کا نام فاتحہ" الکتاب اس وجہ سے ہے کہ قرآن حکیم کی کتابت اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

اس کا نام ام القرآن اس لئے ہے کہ قراءت میں سب سے پہلے اس کی قراءت کی جاتی ہے، بعض لوگ فرماتے ہیں اصل کو 'ام، کہتے ہیں کہ اس میں کسی نسخ و رفع کا احتمال و شائبہ تک نہیں، پس اصل ثابت ہے۔

اس سورہ کو مثانی بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ سورت نماز کی رکعتوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے، ولاقوۃ الا باللہ۔

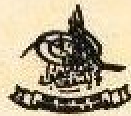
اللہ تعالی کے قول " اھدنا تا آخر سورہ میں علاوہ ان امور کے جن کا ذکر گزر چکا دو مزید نکتے ہیں کیونکہ اللہ کا قول اھدنا الصراط المستقیم تا آخر سورہ ایک ایسی دعا ہے جو ما بعد کے آخر سورہ تک پورے مضمون کے لئے کافی ہے، کیونکہ اب آخر تک اس جملے کی تفسیر کے سوا کچھ اور نہیں۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالی کی ان نعمتوں کی یاد دھانی کرتا ہے جو اللہ نے ان لوگوں کو عطا کیں، جنھوں نے اس کے دین کو اپنے دل سے قبول کیا، اور اللہ تعالی کی طرف سے توفیق ہے کہ اس کو قبول کریں اور اس کا فضل ہے ان پر، حالانکہ اللہ پر یہ فضل واجب نہ تھا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ لوگ اللہ سے، پناہ مانگیں کہ کجروی نا خوشی و گمراھی سے بچے رہیں، اور ان کی یہ التجاء اللہ سے، خود اس کے قول "غیر المغضوب علیھم ولاالضالین" سے ظاہر ہے۔

فہرست اسماء





مطبع : ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد
پاکستان